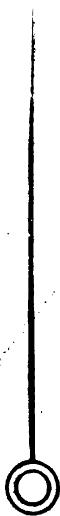
نوک جھونک

طنزیہ و مزاحیہ کلام



رؤف رحیم ایم۔ اے (عثمانیہ)

نام کتاب : نوک جھونک

اشاعت : پہلی بار

تعداد : (۶۰۰)

سنہ اشاعت : ۱۹۹۸ء

کتابت : محمد عبدالرؤف / سلام خوشنویس

سرورق : طالب خوندمیری

طباعت : دائرہ پریس ۔ چھتہ بازار ۔ حیدرآباد

مصنف و ناشر :

رؤف رحیم ایم ۔ اے

معتمد ادبستان دکن بہ یادگار حضرت صفی اورنگ آبادی

زیر اہتمام :

جناب محبوب علی خاں اخگر

قیمت (۵۰) روپے =/RS. 50 لائبریری کے لیے : =/RS. 80

ملنے کے پتے :

شگوفہ پبلیکیشنز، ۳۱، مجرد گاہ ۔ معظم جاہی مارکٹ ۔ حیدرآباد

حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان ۔ حیدرآباد

اسٹوڈنٹس بک ہاؤس ۔ چارمینار ۔ حیدرآباد

احمد شمس الدین مکثر ۔ مکان نمبر ۵۲۵ ۔ ۵ ۔ ۲۰ شکر گنج ۔ حیدرآباد

یہ کتاب
فخرالدّین علی احمد میموریل کمیٹی
حکومت اُترپردیش (لکھنؤ)
کے مالی تعاون سے شائع ہوی۔

اِنتساب

ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، صدر زندہ دلانِ حیدرآباد

و

استادِ محترم حضرت رُوحی قادری

کے نام

جن کی رہبری نے اِس چوتھے مجموعۂ کلام کی اشاعت کی جانب راغب کیا۔

رؤف رحیم

فہرست

شجرہ : ۸
لن ترانی ؛ رؤف رحیم ۹
رؤف رحیم کی شاعری ؛ ڈاکٹر رحمت یوسف زئی ۱۱
رؤف رحیم کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری } ڈاکٹر محمد علی اثر ۱۵
رؤف رحیم کی شعر گوئی ؛ نواب محمد نورالدین خاں ۲۰

غزلیں

۱ : ہے خواہش اُن کی میک اپ سے مثالِ حور ہو جانا ۲۳
۲ : ہر کوئی اب شکار ہے آشوبِ چشم کا ۲۴
۳ : میں بیکاری میں مالک بن گیا کتنی ہی کاروں کا ۲۵
۴ : اصلی چہرے کا جو اندازہ نہ تھا ۲۶
۵ : مجھ سے لے کر قرض وہ پونا گیا ۲۷
۶ : گھر کے باہر گھر کے اندر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے ۲۸
۷ : نیت کی ذات سے تو برائی نہ جائے گی ۲۹
۸ : جو گرم عشق ہے اس کو لٹا دو برف کی سل پر ۳۰
۹ : عبور اتنا ہے لیڈر کو اپنے مکر کے فن پر ۳۱
۱۰ : محفل میں جب کبھی مرے اشعار چل گئے ۳۲
۱۱ : چاپلوسی کو بھی تشہیر کا زینہ سمجھو ۳۳
۱۲ : کبھی تو ناز سے لوٹا کبھی اداؤں سے ۳۴
۱۳ : اس طرح مجمع کو اطراف لبھا کر رکھنا ۳۵
۱۴ : جا کے گاؤں میں اپنے شعر یوں سناتے ہیں ۳۶
۱۵ : چمکے ہیں مقدر بھی کیسے جھاڑو تاروں کے ۳۷
۱۶ : رُلا رہے ہیں مرے سر سے گر کے بال مجھے ۳۸
۱۷ : لیڈر ہوں مجھ کو ڈر سے سروکار ہی نہیں ۳۹
۱۸ : بھوت لاتوں کے نہیں مانتے سمجھانے سے ۴۰
۱۹ : شہرت کی جو راہیں ہیں وہ دشوار بہت ہیں ۴۱
۲۰ : وعدہ کرنا توڑ دینا یہ تو لاچاری نہیں ۴۲
۲۱ : ہم ان کے ستم کو بھی کرم بول رہے ہیں ۴۴
۲۲ : اس طرح شامل مجھے جوئے میں ہونے دیجئے ۴۵
۲۳ : کھپلا ہے گھٹالا ہے، حوالہ بھی یہاں ہے ۴۶
۲۴ : رہے چاپلوسی مزاج میں تو ہو مست سوز میں ساز میں ۴۷
۲۵ : حوروں کو ڈھونڈتی ہے مسلسل نظر ابھی ۴۸
۲۶ : غزل اخبار میں میری چھپی ہے ۴۹
۲۷ : آدمی میں اس قدر اب شومیِ افکار ہے ۵۰
۲۸ : لوگ جو بے ضمیر ہوتے ہیں ۵۱
۲۹ : حسینوں میں مرا چرچا بہت ہے ۵۲
۳۰ : ہمارے سامنے آئے کوئی کیا اس کی ہمت ہے ۵۳
۳۱ : دونوں کے اپ سیٹ ہے کا کوئی گماں نہیں ۵۴
۳۲ : یہ انٹرویو میں پوچھا مجھی سے ۵۵
۳۳ : دلبروں کی ٹولیاں اور وہ بھی اس دل کے لیے ۵۶
۳۴ : چلا ہے عشق کا چکر وہیں سے ۵۷
۳۵ : بجلی ہے آٹھ آٹھ پہر تک نہ آئے گی ۵۸
۳۶ : بزمِ عشرت میں مکاں کا ذکر کیا ۵۹
۳۷ : ہم نے ہنس ہنس کے جو لٹائی ہے ۶۰
۳۸ : کس طرح سے آئے گا مجھ کو لطف سجدے کا ۶۱
۳۹ : میں نے یہ کب کہا ہے کفایت شعار ہوں ۶۲
۴۰ : ہمارے دل کی دشمن دلربا ہونے نہیں پاتی ۶۳
۴۱ : فیصلہ خوب یہ سرکار کیا کرتی ہے ۶۴
۴۲ : اِتراؤ نہ نوشتہ، اسے سمجھو نہ منادی ۶۵
۴۳ : مرے آگے کوئی ٹکتا نہیں ہے ۶۶
۴۴ : جلتی ہے میری بیوی پڑوسن کو دیکھ کر ۶۷

٤٥ : ہے عام جو رہائی گنہگار کے لیے ٦٨

٤٦ : بہت کچھ یاد رکھنے پر بھی اکثر بھول جاتا ہوں ٦٩

٤٧ : ہماری عرض بس اتنی ہے خدمت میں کنواروں کی ٧٠

٤٨ : اب اُن کی زُلف کہاں ہم کو یاد آنے کی ٧١

٤٩ : شعر اوروں کے چُرا کر کبھی ہم پڑھتے ہیں ٧٢

٥٠ : ہمارے عشق کی رُوداد مختصر بھی نہیں ٧٣

٥١ : ہیں ردائے مُفلسی تانے ہوئے ٧٤

٥٢ : چھوڑے گا مجھے کیسے خرافات کا بچّھو ٧٥

٥٣ : بنائی فلم کچھ ایسی ہیں صدقے جاؤں فیشن کے ٧٦

٥٤ : داد ملتی ہے جو مجھ کو یہ کرم کس کا ہے ٧٧

٥٥ : رہتا ہے جو شوہر یہاں بیگم کے اثر میں ٧٨

٥٦ : مجھے داد کیوں نہ ملے گی اب سبھی سامعینِ کرام سے ٧٩

٥٧ : چین سے امن سے رہنے کا ہُنر رکھتے ہیں ٨٠

٥٨ : سُہانے خواب دکھاتے ہیں حکمراں کیا کیا ٨١

٥٩ : پریم کا نو نرمان کریں گے ٨٢

٦٠ : بات معشوق کی اب نہ کر ٨٤

٦١ : نہ جُڑ سکے کبھی دلبر سے رابطے ٹُوٹے ٨٥

٦٢ : کبھی کبھی یہ حسیں حادثات ہوتے ہیں ٨٦

٦٣ : یہ انقلاب ہُوا تو ہُوا بپا کیسے ٨٧

٦٤ : لیڈر ہوں مصلحت سے چلاتا ہوں اپنا کام ٨٨

٦٥ : مرضی ہے یہ اب ان کی جزا دیں کہ سزا دیں ٨٩

٦٦ : ہم تو ٹھہرے سدا کے ہولے ہی ٩٠

٦٧ : شاعر ہمارے دَور کے تجّار ہو گئے ٩١

٦٨ : نام مشہور جو ہمارا ہے ٩٢

٦٩ : اب یہ تُک بندوں کی کثرت نہیں دیکھی جاتی ٩٤

٧٠ : نہ یہ حادثہ ہے نہ یہ خودکُشی ہے ٩٥

٧١ : سو جان سے فدا ہوں میں جس ایک جان پہ ٩٦

٧٢ : آفت نہیں تو کیا ہے میاں یہ کسان پہ ٩٧

٧٣ : اگر فساد پہ تقریر اُس نے کی ہو گی ٩٨

٧٤ : نہیں ہے جیب میں اِک پائی میرے گھر کے لیے ٩٩

٧٥ : ساتھ قارون کے میرے جو خزانے ہوں گے ١٠٠

٧٦ : جو دل دکھاتی ہو وہ دل لگی پسند نہیں ١٠١

٧٧ : یہ سچ ہے جاہلِ مُطلق ہوں نام فاضل ہے ١٠٢

٧٨ : اِس معرکے کو خاص سلیقے سے سر کریں ١٠٣

٧٩ : انھیں مذاق ہی لگتا ہے میرا رونا بھی ١٠٤

٨٠ : بات بیگم کی نہ ٹالی جائے گی ١٠٥

٨١ : خیرات کا بھی جب کوئی ساغر اُٹھا لیا ١٠٦

٨٢ : ایسی ویسی ہوں تو محفل کے حوالے کر دو ١٠٧

٨٣ : میں نہیں کہتا کبھی جی کا زیاں ہے زندگی ١٠٨

٨٤ : مجھ کو کہاں لے دوست غمِ روزگار ہے ١٠٩

٨٥ : لیڈری نام ہے مکّاری کا عیّاری کا ١١٠

٨٦ : ہے جو معصوم اسے آج سزا دی جائے ١١١

٨٧ : آپ کہتے ہیں کہ گُزارا تو گوارا ہے مجھے ١١٢

٨٨ : اولاد ہوئی تیز جو ٹی وی کے اثر سے ١١٣

٨٩ : راؤ جی کے پانچ سالہ دَور کا انعام ہے ١١٤

٩٠ : دِل سے نکالو دوستو اُلفت جہیز کی ١١٥

٩١ : ہائے نیتاؤں نے کب ہوش سنبھالا یارو ١١٦

٩٢ : نہ مال و زر کا ہے طالب نہ مرتبہ چاہے ١١٨

٩٣ : کہیے کہ دواؤں میں اثر ہے کہ نہیں ہے ١١٩

٩٤ : انتخابات ہیں تیار خدا خیر کرے ١٢٠

٩٥ : وہ بُرائی کرے یا بھلائی کرے ١٢١

٩٦ : خاص خبروں کو چھُپاتا ہے ہمارا ٹی وی ١٢٢

٩٧ : وہ قدر کرتا بھی ہے اور جھڑکا بھی دیتا ہے ١٢٤

۹۷ : نام اپنا ہے کہاں دیکھ لیا کرتے ہیں ۱۲۵

۹۸ : بدِ اصل بدقماش نہ تھے بے حیا نہ تھے ۱۲۶

۹۹ : دیا سلائی کی مانند گھس گھسا کے مجھے ۱۲۷

۱۰۰ : کب کس کے گھر میں آئے خُسر یہ خبر نہیں ۱۲۸

۱۰۱ : اِک نرس کیا ملی کہ دواخانہ مل گیا ۱۲۹

۱۰۲ : میرے ان کے اٹوٹ بندھن ہیں ۱۳۰

۱۰۳ : بکرا بنا کے یوں مجھے مسلخ میں لا نہ دے ۱۳۱

۱۰۴ : کسی عزت نہ کسی آن سے وابستہ ہے ۱۳۲

۱۰۵ : عقد اِک قیدِ مسلسل ہے سمجھتا کیا ہے ۱۳۳

۱۰۶ : چہرہ داڑھی کے سوا ہو مجھے منظور نہیں ۱۳۴

۱۰۷ : ہُوا عاشقی میں کیسا میری عُمر کا خسارہ ۱۳۵

۱۰۸ : اندھا ہے یہ ساون کا بجا بول رہا ہے ۱۳۶

۱۰۹ : گھپلے گھوٹالے اور مشاغل نئے نئے ۱۳۷

۱۱۰ : رونا تو ہر اِک شخص کی قسمت میں لکھا ہے ۱۳۸

۱۱۱ : چین دِن کا نیند راتوں کی تڑی ہونے لگی ۱۳۹

۱۱۲ : کِس سلیقے سے وہ چوپٹ مجھے کر دیتا ہے ۱۴۰

۱۱۳ : میں شاعر ہوں تو یہ میرا بھرم ہے ۱۴۱

۱۱۴ : اپنے لیڈر ہی جو ڈاکوں پہ اُتر جائیں گے ۱۴۲

۱۱۵ : جب بھی ہوتی ہے اُن سے میری گفتگو ۱۴۳

۱۱۶ : ہوٹنگ ہو رہی تھی میں پھر بھی ڈٹا رہا ۱۴۴

۱۱۷ : چلو تم شاعرِ اعظم ہو' ہم یہ مان لیتے ہیں ۱۴۵

۱۱۸ : مجموعہ تو چھپ جاتا ہے اب میری بلا سے ۱۴۶

۱۱۹ : برائے نام لے جاتے ہیں بیٹی ہم طُرم خاں کی ۱۴۷

۱۲۰ : میں نے محفل میں جب بھی پڑھی ہے غزل ۱۴۸

۱۲۱ : سہرا باندھے ہوئے دُلہا نہیں دیکھا جاتا ۱۴۹

۱۲۲ : فخر تھا میرا تخلص مختصر اُس نے کیا ۱۵۱

۱۲۳ : جوکر ہوں میں دِلوں کو لُبھانے کے واسطے ۱۵۲

۱۲۴ : ذرا تو سوچو کہ میں پن میں یہ غُلو کیا ہے ۱۵۳

۱۲۵ : اُن کا میرا مقابلہ کیا ہے ۱۵۴

۱۲۶ : سبھی کو خوف یہاں ماسٹر پلان کا ہے ۱۵۵

۱۲۷ : بکواس بھی جب کی ہے تو اُس شان کی ہے ۱۵۶

۱۲۸ : دُم دار ستارے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ۱۵۷

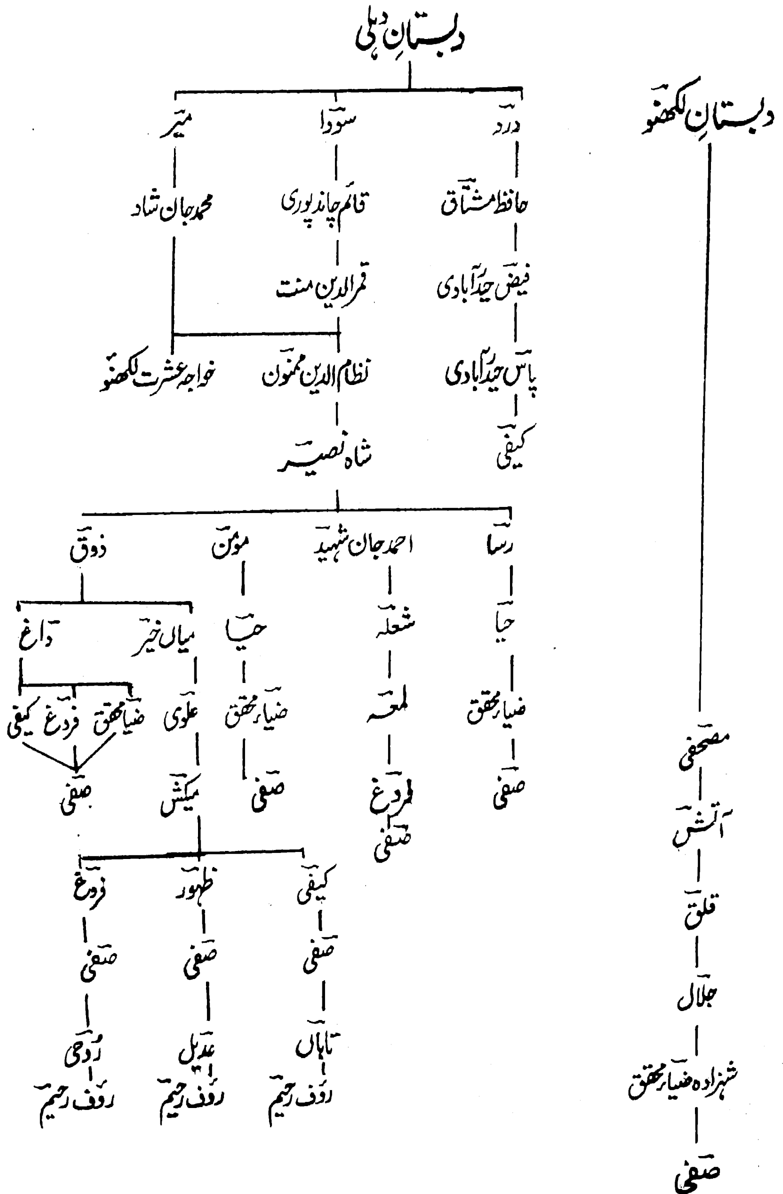
۱۲۹ : داد اب پاؤں نہ کیوں سارے سخندانوں سے ۱۵۸

۱۳۰ : پسِ پُشت :

ڈاکٹر مصطفٰے کمال ۱۵۹

حضرت صفیؔ اورنگ آبادیؒ کے اساتذہ کا شجرہ

(بہ صراحت تلامذہ)



از:۔ رؤف رحیم

لن ترانی

قارئین کرام! میرا چوتھا شعری مجموعہ "لوک جھونک" آپ کے زیرِ مطالعہ ہے جو طنزیہ و مزاحیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ کچھ زاہدِ خشک حضرات مزاحیہ شاعری کو سفلی عمل سمجھتے ہیں لیکن میری دانست میں کسی روتے کو ہنسانا ثوابِ جاریہ سے کم نہیں یہ کوئی فتویٰ نہیں۔ ویسے آج کل مُفتیاں بھی حسبِ ضرورت فتویٰ صادر کرتے ہیں ؎

انقلاب آیا تو یہ ہے مُفتیوں کا حالِ زار

پہلے حق کے واسطے تھے اب ہیں باطل کے لیے

میرا تعارف میرے گزشتہ تینوں مجموعہ ہائے کلام "بساطِ دل" ۱۹۸۷ء "خدا خیر کرے" ۱۹۹۲ء، "نشاطِ الم" ۱۹۹۶ء میں ہو چکا ہے سوانح کو بدلا نہیں جا سکتا پھر بھی یاد دہانی کے لیے عرض ہے کہ میں ۱؍جون ۱۹۵۴ء کو حیدرآباد دکن کے خمانہ شاعر حضرت شمس الدین تاباںؔ کے گھر پیدا ہوا۔ ادبی ماحول نے شاعر بنا دیا اور ۱۹۷۶ء سے شاعری کا آغاز ہوا ۱۵؍اگسٹ ۱۹۷۶ء کو پیروڈی اخبارِ "سیاست" میں شائع ہوئی تب سے تادمِ تحریر مزاحیہ کلام، سنجیدہ کلام نعتیہ کلام، مزاحیہ مضامین، سنجیدہ مضامین، ڈرامے، افسانے، تنقید و تبصروں کے علاوہ مشاعروں میں شرکت کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۹۸۷ء میں فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اُترپردیش لکھنؤ کے مالی تعاون سے "بساطِ دل" شائع ہوئی اور "لوک جھونک" کو بھی مالی تعاون سے نواز کر کمیٹی نے میری ہمت افزائی فرمائی۔ بساطِ دل کو اے پی اردو اکیڈیمی نے انعام کا مستحق قرار دیا۔ ۱۹۹۲ء میں طنز و مزاح پر مشتمل مجموعہ کلام خدا خیر کرے اردو اکیڈیمی آندھراپردیش کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوا اُسے بھی انعام دوم سے نوازا گیا۔ نیز تیسرا مجموعہ "نشاطِ الم" ۱۹۹۶ء بھی

اردو اکیڈیمی آندھراپردیش کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوا۔ اس طرح ہمت افزائیوں نے چوتھے مجموعہ کی حماقت پر اکسایا۔ چونکہ ادب میں فیملی پلاننگ کا رواج نہیں اس لیے چوتھا مجموعہ آپ کے روبرو ہے۔

میری ذہنی تربیت والد مرحوم حضرت محمد شمس الدین تاباںؔ نے کی جو حضرت صفیؔ اورنگ آبادی کے شاگرد رشید تھے حضرت تاباںؔ کے انتقال (۱۰ اپریل ۱۹۸۵ء) کے بعد حضرت صفیؔ کے ایک اور شاگرد ماہر عروض حضرت سید نظیر علی عدیلؔ کی شاگردی نے میدان شعر و ادب میں قدم جمائے رکھنے میں مدد کی پھر اُن کے انتقال (۱۹۹۶ء) کے بعد استاد شاعر حضرت روحیؔ قادری کے آگے زانوئے ادب تہہ کئے اِن تمام بزرگوں کی دعاؤں سے آج با اعتماد شعر کہنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے تقریباً طرحی مشاعروں میں شرکت کے مواقع نصیب ہوتے ہیں۔ مشاعرہ بازی اور انجمن سازی کا چسکہ ہے۔ ادبستانِ دکن، بزم حکمت سخن کا معتمد زندہ دلانِ حیدرآباد اور بزم قادریہ کا شریک معتمد ہوں۔

بیرونِ حیدرآباد اور حیدرآباد کے تقریباً مشاعروں میں شرکت کرتا ہوں اور اخبار میں نام اکثر کہیں نہ کہیں چھپ جاتا ہے۔

نام اپنا ہے کہاں دیکھ لیا کرتے ہیں
ہم فقط اس لیے اخبار پڑھا کرتے ہیں

یہی کوشش رہتی ہے کہ طنز و مزاح میں بھی ادب کا دامن چھوٹنے نہ پائے اور ابتذال سے دامن بچاؤں۔ اس میں میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں آپ لوگ جھونک پڑھ کر تبصرہ کرسکتے ہیں۔ آخر میں میں فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اترپردیش لکھنؤ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنھوں نے میرے مجموعۂ کلام کو مالی تعاون سے نواز کر آپ کے روبرو پیش کرنے کا موقع عطا کیا۔ نیز ڈاکٹر مصطفٰے کمال مدیر شگوفہ، ڈاکٹر رحمت یوسف زئی ڈاکٹر محمد علی اثر کے علاوہ نواب محمد نورالدین خاں صدر ادبستانِ دکن اور جناب محبوب ملنگیاں انگرہ کا مشکور ہوں جن کی قیمتی آراء اور نیک مشوروں نے ہمت افزائی فرمائی۔

رؤف رحیم
مصنّف

ڈاکٹر رحمت یوسف زئی

رؤف رحیم کی شاعری ۔ ایک جائزہ

۱۹۶۸ء میں مجنوں گورکھپوری کے برادر نسبتی کی بدولت مجھے علیگڈھ جانے کا اتفاق ہوا اور مجنوں صاحب کے مکان پر شام کو منعقد ہونے والی نشستوں میں بیٹھنے کا موقع ملا ایک دن کسی ادبی مسئلہ پر بات کرتے ہوئے مجنوں صاحب نے کہا تھا کہ انسانی اظہار کے تمام ذریعوں میں سب سے اہم اور موثر ذریعہ شاعری ہے۔ اسی بات کو اپنے ایک مضمون میں وہ اس طرح لکھتے ہیں :

> "فنونِ لطیفہ کی سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور سب سے زیادہ لطیف صورت ادب یعنی الفاظ کا فن ہے جو سنگ تراشی اور مصوری کے بعد وجود میں آیا اور ادب کی سب سے زیادہ قدیم، سب سے زیادہ فطری اور سب سے زیادہ مقبول عام شکل شاعری ہے اور شاعری کی سب سے زیادہ بے ساختہ اور سب سے زیادہ پاکیزہ صنف وہ ہے جس کے لیے فارسی اردو میں عربی لفظ "غزل" استعمال ہوتا ہے۔"

(مجنوں گورکھپوری شعر اور غزل مشمولہ اردو شاعری کا فنِ ارتقاء، ص ۳۵ مرتبہ فرمان فتح پوری)

دکن میں صفی اورنگ آبادی نے غزل کی جس روایت کو پیروان چڑھایا وہ رہتے زمانے تک یقیناً یادگار رہے ہے انھوں نے روزمرہ اور محاوروں کو اس خوبی سے برتا کہ ان کے اشعار زبان زد خاص و عام ہو گئے۔ صفی کے شاگردِ رشید شمس الدین تاباںؔ کے فرزند رؤف رحیم نے غزل کے گلستان میں خوش رنگ پھول کھلا کر غزل کی بے ساختگی اور

پاکیزگی کو مہکا دیا۔

فن کار اپنے آپ کو کسی دائرہ میں مقید نہیں رکھ سکتا اس کے سفلنے کے لیے بیکراں چاہیئے۔ شاید اسی لیے رؤف رحیم نے اپنے آپ کو صرف سنجیدہ شاعری تک نہیں رکھا بلکہ طنز و مزاح کے میدان میں خود کو اس طرح منوالیا کہ اب ان کی مزاحیہ و طنز شاعری کا دوسرا مجموعہ "نوک جھونک" چھپنے کے لیے تیار ہے۔

جہاں تک سنجیدہ شاعری کا معاملہ ہے رؤف رحیم نے بساطِ دل کے عنوان سے اپنا پہلا مجموعہ ۱۹۸۷ء میں شائع کیا اہم بات یہ ہے کہ اس پر فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ نے گراں قدر رقمی تعاون دیا۔ رؤف رحیم کی فکری سطح کا اندازہ اس شعر سے لگا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں:

ملول جیسے غریب اک جوان بیوہ ہو ÷ اُداس یوں ہے شب ماہتاب سرما میں

ہو سکتا ہے کہ نقادانِ ادب کی نظر میں اس شعر کا خیال مجاز سے لیا گیا ہو لیکن تشبیہ کا حسن بہرحال بے مثال ہے۔

"بساطِ دل" رؤف رحیم کا پہلا مجموعہ ہے جس میں رطب و یابس سبھی کچھ شامل ہے پھر بھی کلاسیکی روایات کی پاسداری اس مجموعہ کا وصف ہے۔ رؤف رحیم کا دوسرا مجموعہ "نشاطِ الم" ۱۹۹۶ء میں چھپ کر منظرِ عام پر آیا۔ اس میں رؤف رحیم کا فن ترقی کے زینے طے کرتا نظر آتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے ؎

یہ علامت ہے کہ سورج ہے تنزل کی طرف ÷ اپنے قد سے جو بڑا ہو گیا سایہ اپنا

رؤف رحیم اپنی سنجیدہ شاعری میں بھی طنز کے تیر برسانے سے باز نہیں آتے وہ خود پر وار کرتے ہیں لیکن وہ وار ہر دل میں اُتر جاتا ہے کہتے ہیں۔

اپنے چہرے پہ کئی چہرے چڑھا رکھے ہیں ÷ مجھ سے خود اپنا ہی چہرہ نہیں دیکھا جاتا

اسی غزل کا ایک اور شعر ہے ؎

خود نمائی یہ آنکھوں میں بسی ہے ایسے ÷ اب کوئی پھولتا پھلتا نہیں دیکھا جاتا

ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں ؎

اُونچا بہت اُٹھا کے گرا کوہِ آنا سے ÷ خود اپنے زیں میں ٹوٹ کے بکھرا ابھی بہت تھا

اور یہ شعر بھی دیکھیے ؎

ہر وقت ہی ڈنک اس کا رہا میری انا پر
یہ نفس تو میرا مجھے بچھو نظر آیا !

نیرنگیٔ زمانہ کی بدولت شاعر کی مجبوریاں اِسے یہ بھی کہنے پر آمادہ کرتی ہیں کہ

لا نہیں سکتا کھلونا کسی بچے کے لیے
اور اُتری ہوئی صورت نہیں دیکھی جاتی

لیکن رؤف رحیم کی شاعری کا کمال دیکھنا ہو تو ان کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ یہ دراصل معاشرے کے عدم توازن پر ایک ردِ عمل ہے جو قاری کو ایک طرف مسکراتے پر مجبور کرتا ہے تو ساتھ ہی ایک سرد آہ بھی سینے سے اُبل پڑتی ہے۔ طنز کے نشتر سماج کے ناسُوروں پر چلتے ہیں تو اذیت ہوتی ہے لیکن اس اذیت کے پس پشت مسائل کا ادراک ان نشتروں کی افادیت کو پیش کرتا ہے۔ رؤف رحیم کے ہاں طنز اور ظرافت کا ایک حسین امتزاج ہے۔ جدت پسندی پر یہ خوبصورت طنز دیکھیے۔

جدّت کی کھاد فکر کو ہو جائے گر نصیب
کھیتوں میں آفتاب اُگاتے رہیں گے ہم

رؤف رحیم کا طنزیہ اور مزاحیہ شاعری پر مشتمل مجموعۂ کلام "خدا خیر کرے" غالباً ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا غالباً اس لیے کہ اس مجموعۂ کلام میں کہیں بھی سنِ اشاعت درج نہیں ہے لیکن اس کتاب میں شامل ڈاکٹر مجید بیدار کے پس و پیش لفظ کے آخر میں مضمون تحریر کرنے کی تاریخ ۱۲ر نومبر ۱۹۹۱ء درج ہے اس لیے طباعت کے مراحل کا لحاظ کرتے ہوئے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ یہ مجموعہ ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا ہوگا۔ واہی رضا نقوی نے رؤف رحیم کی اس مجموعہ میں شامل شاعری کو FORWATINE STAGE میں بتایا ہے ظاہر ہے کہ اس میں ترقی کے امکانات بھی ہیں۔ واہی صاحب ہی کے مطابق ان کا (رؤف رحیم کا) مشاہدہ گہرا ہے اور معاشرے پر گہری نظر ہے موجودہ دور کے سماجی سیاسی اور معاشی حالات سے انھیں فکری آگہی حاصل ہے۔" (رؤف رحیم کی ظریفانہ شاعری مشمولہ خدا خیر کرے ص۱۷)

طنز و مزاح کا ایک بنیادی وصف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سماج کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں۔ تخلیقی فنکار خوابوں کی دُنیا کا مسافر ہوتا ہے وہ اپنے خوابوں کو لفظوں کا رُوپ دے کر ادب تخلیق کرتا ہے لیکن تخلیقی فنکار کی حس مزاح اگر طاقتور ہو تو خوابوں کی لفظی تشکیل میں طنز و مزاح کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ جیسے کارٹونوں میں آرٹسٹ کی فکری بلندی جھلکتی ہے

بالکل اسی طرح طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں شاعر کی ذہنی اُپج کے ساتھ ساتھ اس کی فکری افتاد بھی دیکھی جا سکتی ہے رؤف رحیم کی سنجیدہ شاعری سے زیادہ موثر میرے خیال میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری ہے یہاں وہ ہنسی ہنسی میں ایسی چبھنے والی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ ان کی کسک دیر تک باقی رہتی ہے رؤف رحیم کا مجموعہ "نوک جھونک" ایسے ہی کلام پر مشتمل ہے جس میں ہنسی ہنسی میں ہی سماج اور قوم کے بخیے ادھیڑے گئے ہیں۔ کچھ شعر دیکھئے جن میں لیڈروں پر گہرا طنز ہے۔

ناخدا دیش کے گھپلوں میں رہیں جو شامل — دیش کا ڈوب ہی جائے گا سفینہ سمجھو

لیڈر ہوں مجھ کو ڈر سے سروکار ہی نہیں — اب عیب سے ہنر سے سروکار ہی نہیں

جس سے ملے جہاں سے ملے لوٹتا ہوں میں — لیڈر ہوں خیر و شر سے سروکار ہی نہیں

کبھی وہ جھنجھلا اُٹھتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔

وعدہ کرنا توڑ دینا یہ تو لاچاری نہیں — پوچھتا ہوں لیڈروں سے کیا یہ مکاری نہیں

ایک ذکی الحس فن کار اپنے ماحول سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ جو کچھ وہ دیکھتا ہے لفظوں میں ڈھال کر اپنے قاری کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ رؤف رحیم کے ہاں ہر تازہ حادثہ شعر میں ڈھل جاتا ہے۔ بھلے ہی اسے وقتی اظہار کہہ لیا جائے لیکن اس وقتی اظہار میں عصر کی تاریخ پوشیدہ ہے۔ آنے والے دور کا قاری اور نقاد جب تہذیبی سماجی اور سیاسی نقطہ نظر سے آج کے عہد کا مطالعہ کرے گا۔ رؤف رحیم کے اشعار سے اسے وہ سب کچھ مل جائے گا جو آج کے دور کی خصوصیت ہے اور شاید یہ بات رؤف رحیم کو ہمیشہ زندہ رکھے۔

ڈاکٹر رحمت یوسف زئی

ریڈر شعبۂ اردو
یونیورسٹی آف حیدرآباد

ڈاکٹر محمد علی اثر

رؤف رحیم کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری

آج سے دس پندرہ سال قبل حیدرآباد کے آسمانِ شاعری پر جو کہکشاں نمودار ہوئی ہے اس میں رؤف رحیم ایک روشن اور درخشاں ستارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی ادبی شخصیت متنوع اور پہلو دار ہے وہ بیک وقت شاعر بھی ہیں اور ادیب بھی۔ طنزیہ اور مزاحیہ شاعری بھی کرتے ہیں اور سنجیدہ بھی۔ یہی حال ان کی نثر نگاری کا ہے۔ مزاحیہ اور سنجیدہ مضامین کے علاوہ انھوں نے افسانے اور ڈرامے بھی لکھے ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کی شہرت اور ناموری کا دار و مدار نثر نگاری پر نہیں بلکہ شاعری پر ہے۔

رؤف رحیم دبستانِ صفی کے ممتاز سخنور شمس الدین تاباں کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ اس اعتبار سے شاعری کا ذوق انھیں ورثے میں ملا ہے لیکن یہ بات لائقِ ستائش ہے کہ انھوں نے اپنے اس آبائی ورثے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے ذاتی ذوق و شوق کی رہنمائی اور مشق و مزاولت کے ذریعے دکن کے طنز و مزاح نگاروں کے ہجوم میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ رؤف رحیم کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مزاح نگاری کے لیے انھوں نے نہ تو بول چال کی دکنی یا دہقانی زبان کو ذریعہ بنایا اور نہ ہی مزاحیہ انداز کا تخلص اختیار کیا۔ ایک طرف وہ مشاعروں کے مقبول شاعر ہیں تو دوسری طرف حیدرآباد کی مختلف اور متعدد ادبی و تہذیبی انجمنوں کے سرگرم کارکن بھی ہیں۔ ان کی پُرگوئی کا اور قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ ایک مختصر سے عرصے میں پانچ کتابوں کے مصنف اور مرتب بن چکے ہیں۔

رؤف رحیم کی سنجیدہ شاعری کے اب تک دو مجموعے "بساطِ دل" اور "نشاطِ الم" اور مزاحیہ شاعری کا ایک مجموعہ "خدا خیر کرے" منظرِ عام پر آیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے

اپنے والد مرحوم شمس الدین تاباں اور دادا استاد صفی اورنگ آبادی کے مجموعہ ہائے کلام بالترتیب "زنجیر و زنار" اور "گلزار صفی" کے نام سے مرتب کرکے شائع کئے ہیں۔

پیش نظر مجموعہ کلام کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ طنز و مزاح دیگر شعراء کی طرح ان کی شاعری محض تک بندی یا قافیہ پیمائی نہیں ہے! انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے والد محترم حضرت تاباںؔ اور نظیر علی عدیلؔ جیسے باکمال اساتذۂ فن کے آگے زانوئے ادب تہہ کرکے رموز شعر و سخن سے کما حقہٗ آگہی حاصل کی ہے بلکہ ہمارے کلاسیکی شاعروں کا بھی توجہ اور انہماک سے مطالعہ کیا ہے اس لیے وہ بڑے اعتماد اور فخر سے کہتے ہیں:

یونہی نہیں بجتے ہیں مرے نام کے ڈنکے	دن رات کی یہ جہد مسلسل کا صلہ ہے
کیا یہ لوہے کے چنے ہیں کہ چبا ہی نہ سکیں	شاعری کو تو مرے یار چبینہ سمجھو
ہمارے سامنے آئے کوئی کیا اسکی ہمت ہے	ہماری شاعری میں سارے استادوں کی محنت ہے
مجھے داد کیوں نہ ملیگی اب سمجھی سامعین کرام ہے	کبھی استفادہ صفی سے ہے کبھی ہے جگر کے کلام سے

رؤفؔ رحیم کے مزاح میں تنوع اور مضامین کا دائرہ وسیع ہے روزمرہ زندگی کے مضحک زاویے تلاش کرنے میں انھیں بڑی مہارت حاصل ہے سماجی ناہمواری سیاسی دہشت گردی مذہبی اجارہ داری، فنکاروں کی قدر ناشناسی، کاتبوں کی ستم ظریفی غرض روزمرہ کے واقعات و مسائل کو وہ نظر کا زاویہ بدل کر دیکھتے ہیں اور انھیں میں سے مزاح کے پھول چن لیتے ہیں۔

جب ہم گلے ملے تو ہو گیا کٹ ہی لا پتہ	دیکھا نہیں ہے آپ نے میرا ہنر ابھی
ہم دھماکے سے اڑا دے گا تمہیں ریموٹ سے	اور تم جیبوں میں خنجر ڈھونڈتے رہ جاؤگے
بیٹی جو بڑھے شیخ کو دے دی تو کیا ہوا؟	بنگلہ خسر کو سالے کو دھنگا نہ مل گیا
تجھ کو کہاں اے دوست غم روزگار ہے	شکر خدا مرید مرا مالدار ہے
شاعر کی ہے الٹی قسمت	مرنے پر سمّان کریں گے

بیرونی شاعروں پہ لٹاتے ہیں سیم و زر ؛ اور ہم کو ٹالتے ہیں فقط چائے پان پر
کاتب ہوں کسی دَور کے ہٹلر سے کم نہیں ؛ وہ چاہیں تو محروم کو مرحوم بنا دیں
بجلی ہے آٹھ آٹھ پہر تک نہ آئے گی ؛ جائے گی شام سے تو سحر تک نہ آئے گی

اسے اندھیر نگری چوپٹ راج کہتے ہیں یہاں بے قاعدہ بجلی ہے تو پانی کی قلت ہے
اکبر الہ آبادی نے اپنی شاعری کو مغرب زدگی کے خلاف ایک حربے کے طور پر استعمال کیا تھا اور انھوں نے طنز و مزاح پیدا کرنے کے لیے انگریزی الفاظ کے فراواں استعمال سے بڑا فائدہ اٹھایا تھا رؤف رحیم نے اکبر کی طرح بہ کثرت انگریزی الفاظ تو استعمال نہیں کیئے ہیں لیکن گاہے گاہے ان الفاظ سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے. ذیل کے اشعار ان کی فنی چابکدستی اور مہارت کا پتہ دیتے ہیں۔

کیسی تقدیر میں نے پائی ہے واح ان کی میری کلائی ہے !
میرے پیچھے ٹریفک چیختی رہتی ہے روز آنہ کھلا رکھ کر جو اپنا انڈیکیٹر بھول جاتا ہوں
مری نظریں تو لگی رہتی ہیں بس ویلکم پر ہے وہ برسی کہ ولیمہ نہیں دیکھا جاتا
تمہاری بزم بھی ایسی ہے اپنا گھر جیسے بریک فاسٹ نہیں لنچ اور ڈنر بھی نہیں
خاص خبروں کو چھپاتا ہے ہمارا ٹی وی انٹرپٹیشن ہی تبا تا ہے ہمارا ٹی وی
مرا شوز ہے جو نیا نیا ہے اسی میں دل یہ لگا ہوا میں ہزار سجدے کروں تو کیا نہ لگے گا دل یہ نماز میں

رؤف رحیم نے اپنے طنزیہ اور مزاحیہ کلام کے ذریعہ موجودہ سماج میں پھیلنے والی برائیوں کی طرف بھی اشارے کئے ہیں اور اس طرح فیشن کے نام پر مغربی تہذیب کی اندھا دھند تقلید کے زیر اثر سماجی اور معاشی ناہمواری، ریاکاری اور بیہودگی کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی ہے۔

زلفیں کٹی ہوئی ہیں تو بازو ہیں بے لباس چڑیا وہ ایسی ہے کہ جسے بال و پر نہیں
بال چھوٹے جسم پر جرسی ہے تنگ اور جینس ہے جس میں عورت پن نہیں ہے سچ ہے وہ نارئ نہیں۔
کب تلک گود میں کتوں کو کھلاؤ گی اپنے بچوں کو بھی کچھ دیر اٹھا کر رکھنا
عورت کی طرح مرد بھی ڈالے ہیں چوٹیاں آئی ہے شرم آج کے فیشن کو دیکھ کر
دیکھتے ہیں سب ملکر بوسہ بازی ٹی وی پر رہ گیا ہے پردہ میں اب حجاب پردے کا
ٹی وی کی تربیت نے کیا ہے نڈر انہیں بچے ہمارے ایسے کبھی بے حیا نہ تھے

حیدرآباد شاعروں کا شہر ہے. کل ہند مشاعروں سے قطع نظر یہاں ہر روز کہیں نہ کہیں محفل مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آتا ہے لیکن یہ بھی تلخ حقیقت ہے کہ یہاں شعر و سخن

کی خاطر خواہ سرپرستی اور قدر افزائی کرنے والا کوئی نہیں شعراء اور اہل فن واہ واہ اور سُبحان اللہ کی دولت سے مالا مال ہیں لیکن سکون اور آسودگی سے یکسر محروم۔ ان کی مفلسی اور زبوں حالی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ متعدد شاعروں کے لیے ان کی تخلیقات ہی گزر بسر کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ ایک شاعر ہونے کے ناتے رؤف نے ان حقائق کی ترجمانی اور عکاسی بڑے موثر انداز میں کی ہے ملاحظہ کیجئے :

کر رہا ہوں شاعری کے معرکے سر اے رحیم گھر میں آٹا دال چاول اور ترکاری نہیں
ہر روز ہوا کرتی ہے اک شعر کی محفل لگتا ہے کہ اس شہر میں بیکار بہت ہیں
ایک سگریٹ کی ڈبی کے عوض دو غزلیں سودا ایسا ہے تو خود سوچئے مہنگا کیا ہے
میں صورت سے نظر آتا ہوں شاعر مجھے لٹنے کا اب خدشہ نہیں ہے
رحیم اب تو بدل لے نام اپنا کہ تیرے نام پر قرضہ بہت ہے

حالیہ عرصہ میں ہمارے لیڈروں، نیتاؤں اور سیاسی رہنماؤں نے چور بازاری بدعنوانی اور رشوت ستانی کے میدان میں جو گل کھلائے ہیں ان کو ہدف ملامت بناتے ہوئے رؤف رحیم نے ان گھپلوں اور گھوٹالوں کے حوالے سے ان کی کرتوتوں پر طنز کے بھرپور وار کئے ہیں۔

مقتل بنے گا کیوں نہ ہمارا عزیز دیش رہزن جو تھے وہ قافلہ سالار ہو گئے
گھپلا ہے گھوٹالہ ہے حوالہ بھی یہاں ہے بدنیتی سرکار کی ہر سمت عیاں ہے
دل فریب ہوتی ہیں رہنما کی تقریریں وہ فریب دیتے ہیں ہم فریب کھاتے ہیں
جو تھا بستی کا اک بڑا غنڈہ آج کل رہنما ہمارا ہے

"خدا خیر کرے" سے "نوک جھونک" تک رؤف رحیم کا یہ شعری سفر نہ صرف اُن کی مسلسل محنت، مشق و مزاولت اور مطالعہ کی وسعت کا پتہ دیتا ہے بلکہ ان کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے روشن امکانات اور تابناک مستقبل کی بھی غمازی کرتا ہے۔ رؤف رحیم کی لفظیات کا دائرہ وسیع ہے وہ الفاظ کی بندش اور چستی کا بھی پورا خیال رکھتے ہیں برمحل لفظوں کا استعمال اور لفظوں کی تکرار یا ان کے صوتی آہنگ سے پیدا ہونے والی جھنکار سے استفادہ کرتے ہوئے وہ مزاح کی ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔

١٩

کسی ہرشد کسی مُرشد کا تو چمچہ بن جا
مرغ و ماہی سے کٹورے ترے بھر جائینگے

ہم پہ اثر یہ دورِ گرانی کا ہے رحم
دعوت تو بے محل تھی مگر مع محل گئے

جو مرے دور کے لیڈر ہیں وہ گیدڑ تو نہیں
کون کہتا ہے کہ قانون سے ڈر جائیں گے

ہر سمت رعایا میں ہے اب کرب کا عالم
راعی پہ اثر رائی برابر نہیں ہوتا

ڈاکٹر محمد علی اثر

محمد نور الدین خان

رؤف رحیم کی شاعری

یہ قاعدہ کلیہ تو نہیں کہ شاعر کا بیٹا شاعر ہی ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ قسّام ازل نے شعر گوئی کی صلاحیت کا عطیہ جناب تاباں کے فرزند رؤف رحیم کی قسمت میں لکھ دیا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے اپنے شعری ذوق کو پروان چڑھانے میں گھر کا شاعرانہ ماحول بڑا اثر انداز ہُوا۔ رحیم نے بھی بڑی سمجھ بُوجھ سے کام لیا۔ انھوں نے اِس حقیقت کو سمجھا کہ شاعری ایک فن ہے اور اس فن کی باریکیوں کو سمجھنے کے لیے کسی رہبر یا استاد کی ضرورت لازمی ہوتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے ابتدا میں اپنے والد سے کلام پر اصلاح لی، پھر اس کے بعد دکن کے اساتذۂ سخن جناب عدیل اور جناب روحی قادری سے مشورۂ سخن کیا۔ یہی نہیں بلکہ صاحبانِ فن سے کچھ پُوچھنے، سیکھنے اور سمجھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اِن کا کلام اغلاط کے خس و خاشاک سے پاک اور فن کی کسوٹی پر پُورا اُترتا ہے۔ تاثیر سخن صرف کسب سے یوں بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ بقول جناب صفیؔ اورنگ آبادی ؏

یہ دین خدا کی ہے صفیؔ جس کو خدا دے

خدا کی اس دین کی جلوہ آرائی رؤف رحیم کے کلام میں نُمایاں ہے۔ ان کی شاعری میں بھی فن ہے اور تاثیرِ سخن بھی!

ان کی خداداد صلاحیت کا اعتراف کیے بغیر چارا نہیں کہ نظم و نثر چاہے سنجیدہ ہو یا مزاحیہ، دونوں کے کہنے اور لکھنے کا انہیں سلیقہ بھی ہے اور ملکہ بھی اور آدمی سوچنے لگتا ہے کہ وہ سنجیدہ نگار ہیں یا طنز و مزاح کے قلم کار۔ ان کے سنجیدہ کلام کے مجموعے "بساطِ دل" "نشاطِ الم" اور مزاحیہ شاعری کا مجموعہ "خدا خیر کرے" اِس بات کے شاہد ہیں۔ یہ طُرفہ تماشہ ہے کہ مشاعرہ کی "طرح" میں ہمیشہ سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں غزلیں کہتے ہیں اور اہلِ ذوق سے

بھلا رؤف رحیم جنھیں اپنے والدِ مرحوم کا جذب وکیف ملا ہے، کیسے خاموش رہتے۔ اس نازک صنفِ سخن میں بھی بڑے مودبانہ اور عقیدت مندانہ منصبِ نعت گوئی سے عہدہ برآ ہونے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ "سہانا سفر" زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے تیار ہے۔

شاعر اور فن کار ہماری طرح سماج اور معاشرہ کا پروردہ ہے۔ اس لیے ان کے فن اور شاعری، خاص طور سے مزاحیہ شاعری میں سماج کی برائیوں اور اچھائیوں کا عکس جھلکتا ہے۔ سیاسی، سماجی، اقتصادی اور ثقافتی اتنے مسائل ہیں جو دعوتِ فکر دیتے ہیں طنز و مزاح کی شاعری کا مقصد تفریحِ طبع نہیں ہے بلکہ طنز و مزاح کے خوشگوار اور دلپذیر لب و لہجہ میں سماج کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرنا ہے۔ ہنسی ہنسی کے پردے میں اصلاحی کوشش ہے۔ اردو کے مزاح نگاروں نے اس فریضہ کو بہ حسن و خوبی انجام دیا ہے اور رؤف رحیم بھی ان کی تقلید میں قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ سیاسی بازیگری، گھریلو جھگڑے، شادی بیاہ میں گھوڑے جوڑے کے مطالبات، نئے نئے فیشن کے نظارے، کرکٹ کھیلنے کا جنون، معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیاں، بے جا خوشامد، چاپلوسی، مکّاری ریاکاری، ہشیخت اور دھوکہ فریب وغیرہ یہ سب ایسے موضوعات ہیں بلکہ معاشرے کے ایسے ناسور ہیں، جنھیں دور کرنے سب ہی لگے ہوئے ہیں اور سب اپنی اپنی سی کوشش کر رہے ہیں، کوئی نظم میں کوئی نثر میں۔ رؤف رحیم سماج سے الگ کب ہیں، شاعر کا دل مرہم سے نشتر زنی کرتا ہے۔ رؤف رحیم کی طنز و مزاح کی شاعری کے یہی موضوعات ہیں جن پر اپنے شعری اور فنی شعور کے ساتھ بڑی کامیابی سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا نیا مجموعہ کلام ابھی زیرِ طبع ہے، اس لیے میں نے نہیں دیکھا، مگر امید ہے کہ نقشِ ثانی میں، ان کا رنگ سخن اور نکھرا ہوگا، ان کے مجموعۂ کلام "خدا خیر کرے" سے چند اشعار لکھتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ کس خوبی سے انھوں نے سماج کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھا ہے۔

چار دن سسرال میں رہ کر میں لوٹا اپنے گھر
چار دن کی چاندنی تھی، پھر اندھیرا ہوگیا
آیا ہوں دوبئی سے تو یہ چاؤ ہیں میرے

بگلا بھگت ہی آج کے لیڈر ہیں سب کے
ویسے بہت خلوص کے پیکر ہیں سب کے

آج تو گھر گھر میں ٹی وی ہے خدا کے فضل سے
رفتہ رفتہ گھر ہمارے منی تھیٹر ہو گئے

مَیں نے لڑکی جان کر چھیڑا اُسے
اُس کے فیشن پر مجھے دھوکا ہُوا

ہمارے دیش میں بڑھتی گرانی دیکھتے جاؤ
ہُوا کرتا ہے کیسے دُودھ پانی دیکھتے جاؤ

ہم سے غم خواریاں نہیں اچھی
یہ اداکاریاں نہیں اچھی

سب کو ہے یہ تلاش کہ اِک ایسا گھر ملے
لڑکی بھی خوب رُو ہو جہاں مال و زر ملے

جنتا کو لُوٹ کھاؤ نیا سال آگیا
پھر قیمتیں بڑھاؤ نیا سال آگیا

ہر گلی میدان کرکٹ کا بنی!
کھیلتا ہوں میں بھی چھت پر ان دنوں

یہ رحیم صاحب تو کچھ عجیب شاعر ہیں
پڑ گئی اُنھیں عادت غم میں مُسکرانے کی

میں رؤف رحیم کی طنزیہ، مزاحیہ اور نعتیہ شاعری سے نیک توقعات وابستہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ اِن کے افکار سے سماج کو فائدہ پہنچے۔

(نواب) محمد نورالدین خاں

صدر ادبستانِ صفی بریادگار حضرت صفی اورنگ آبادی

غزل

ہے خواہش اُن کی میک اَپ سے مثالِ حُور ہو جانا
مگر ممکن کہاں کشمش کا پھر انگور ہو جانا

ترا بچپن بھی دیکھا اور جوانی بھی ضعیفی بھی
یہ ہے کیری سے آم اور آم سے آبجور ہو جانا

عبادت شیخ نے کی اور وہ بھی حُور کی خاطر
اسے کہتے ہیں زاھد کا فنائی الحُور ہو جانا

ہمارے دیش کی تو یہ روایت عام ہے لوگو
بہو کا نان بننا، ساس کا تندور ہو جانا

عدو کی حرکتیں ایسی بھی دیکھیں ہم نے محفل میں
سمجھ میں آگیا انسان کا لنگور ہو جانا

بڑا جو آدمی دیکھو، اُٹھاؤ انگلیاں اُس پر
بُرائی سے بہت آسان ہے مشہور ہو جانا

رحیم اپنا تو مسلک ہے، غزل اپنی سُنانے کو
اگر محفل غزل کی دُور سے بھی دُور ہو، جانا



ہر کوئی اب شکار ہے آشوبِ چشم کا
ہر سمت اِک بخار ہے آشوبِ چشم کا

چشمہ لگائے پھرتے ہیں اب آہوئے چشم بھی
اُن پر کرارا وار ہے آشوبِ چشم کا

دشمن تھا میرا، آنکھیں دِکھاتا تھا وہ مجھے
اب تو وہ دوست دار ہے آشوبِ چشم کا

پہلے تو ان میں اور ہی کچھ نشّہ تھا مگر
آنکھوں میں اب خُمار ہے آشوبِ چشم کا

چہرہ دکھائی دیتا نہیں صاف اب کوئی
آنکھوں میں اک غبار ہے آشوبِ چشم کا

کترا رہے ہیں ہم سے ملانے کو وہ نظر
آنکھوں پہ ایسا وار ہے آشوبِ چشم کا

ہم بار بار آنکھیں لڑاتے تھے اے رحیم
اب حملہ بار بار ہے آشوبِ چشم کا



مَیں بے کاری میں مالک بن گیا کتنی ہی کاروں کا
ہوا ہے جب سے پیشہ سرقہ میرے یارِ یاروں کا

نشہ بندی یہ اُٹھ جائے گی اور ہم پھر سے دیکھیں گے
چھلکنا ساغر و مینے کا اُچھلنا بادہ خواروں کا

براہِ راست اب ہوتے ہیں غمزے حُسن والوں کے
نہیں ہے عاشق و معشوق میں دورِ اب اشاروں کا

مَیں جب لیڈر نہیں تھا ٹوٹی پھوٹی ایک سائیکل تھی
ہوا لیڈر تو میلہ سج گیا ہے گھر پہ کاروں کا

بناتے ہیں وہ مجھ کو صدر، مہمانِ خصوصی بھی
شعورِ فکر و فن جاگا ہوا ہے جن اِداروں کا

تواضع کیجئے میری ہمیشہ مُرغ و ماہی سے
کہ مَیں دلدادہ ہوں آبِ رواں کا مرغزاروں کا

رحیم اپنے قدم آگے وہاں سے بڑھ نہیں سکتے
جہاں پر بھی نظر آتا ہے جُھرمٹ ماہ پاروں کا



اصلی چہرے کا جو اندازہ نہ تھا
یہ صحیح نکلی، اُس پہ جب غازہ نہ تھا

سب کی باسی غزلیں ہم نے جھیل لیں
جب کلام اپنا کوئی تازہ نہ تھا

کیسے بچتا پڑھ کے سرقے کی غزل
بھاگنے جو چور دروازہ نہ تھا

گرمیوں میں، میں پسینہ پی گیا
پاس جب لمکا نہ تھا مازہ نہ تھا
MAAZA LIMCA

ہم ہی قربانی کا بکرا بن گئے
جب وہاں کوئی تر و تازہ نہ تھا

جُرم پر وہ جُرم کرتے ہی رہے
جب بھگتنا اُن کو خمیازہ نہ تھا

میری آمد پر وہ کہتے ہیں رحیم!
بزم میں اک مُلّا دُپیازہ نہ تھا



مجھ سے لے کر قرض [illegible] لپو نہ گیا
وہ لگا کر مجھے بھی چونا گیا

زن مریدی ہے میری فطرت میں
میں کبھی بھی خلافِ خُو نہ گیا

پوچھتے کیا ہو شیخ کا تقویٰ
میکدے میں بھی بے وضو نہ گیا

رنگ بھرتے ہیں شعر میں اُستاد
اپنا اِک قطرۂ لہو نہ گیا

خواب میں اُن کے گھر میں گھس بیٹھا
ہوش میں جن کے روبرو نہ گیا

ایک پنجرہ تھا خالی شاعر کا
دِل میں کچھ سوچ کر میں زو نہ گیا
200

بزم وہ بن گئی ہے قبرستان
جس جگہ پر رحیم تو نہ گیا



گھر کے باہر گھر کے اندر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے
پاؤ گے مجھ سا نہ شوہر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

چاہتے ہو تم اگر مخلص بھی ہو بے لوث بھی
زندگی بھر ایسا لیڈر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

چاند کی مانند سر کر لیں گے وہ مریخ بھی
تم ہتھیلی میں مقدر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

مادہ مل جائے تو چھٹی لے کے ہو گا وہ فرار
اور تم اپنا کبوتر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

میہمانو! تم اگر اتنا ستاؤ گے مجھے
وہ پتہ دوں گا کہ تم گھر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

بم دھماکے سے اڑا دے گا تمہیں ریموٹ سے
اور تم جیبوں میں خنجر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے

دیکھ کر ٹی وی پہ عریاں تم کوئی منظر رحیم!
راستوں میں پھر وہ منظر ڈھونڈتے رہ جاؤ گے



نیتا کی ذات سے تو بُرائی نہ جائے گی
ان پانیوں سے دیکھ لو کائی نہ جائے گی

ماں باپ کی کمائی تو ساری لُٹا چکے!
اپنی کمائی ہے یہ لُٹائی نہ جائے گی

چمچہ گری مُدبر کی کرتے رہو سدا
شہرت انا کے ساتھ کمائی نہ جائے گی

نقصان کیا ہے داد کی خیرات دیجئے
سر اونچا ہوگا جیب سے پائی نہ جائے گی

کُرسی گئی خُسر سے تو داماد کو ملی
کُرسی عوام میں کبھی لائی نہ جائے گی

اک بزم میں گئے تھے تو دل نے صدا یہ دی
بھینسوں کے آگے بین بجائی نہ جائے گی

اندھوں میں کانے راجہ بنو تو بنو رحیم
دیدہ وروں میں دال گلائی نہ جائے گی



عبور اتنا ہے لیڈر کو خود اپنے مکّر کے فن پر
اکٹھا بے وقوفوں کو کیا کرتا ہے بھاشن پر

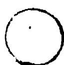
نہ پوچھو لطف کیا آیا ہے محفل سے نکلنے میں
کسی کے نرم و نازک ہاتھ تھے جب میری گردن پر

قصیدہ مہترانی پر لکھا ہے جوش نے جب کہ
بُرا کیا ہے لکھوں میں شعر جو گولن پہ دھوبن پر

سویرے کی جو ورزش پیش کرتا ہے کلر ٹی وی
نظر بوڑھوں کی رہتی ہے جوان جسموں کے آسن پر

قدم کو چومنے اُن کے، کئی بچھو نظر آئے
وہ بہرِ فاتحہ آئے مرے دشمن کے مدفن پر

اسی باعث تو گھر میں آئینہ رکھتا نہیں کوئی!
نظر کو جھریوں سے سابقہ پڑتا ہے درپن پر



محفل میں جب کبھی مرے اشعار چل گئے
کیا ذکرِ غیر کیجئے احباب جل گئے

وہ سامنے جب آئے ہیں میکپ کئے بغیر
ہم دیکھتے ہی خوف کے مارے اُچھل گئے

اوروں کو داد دینے کے قائل نہیں ہیں ہم
اپنی غزل پہ داد لی باہر نکل گئے

ڈر تھا ہمارے پاؤں ہی نہ توڑ دے رقیب
ہم کوچۂ رقیب میں گھٹنوں کے بل گئے

اُٹھتی نہیں ہے اب کسی کھڑکی پہ بھی نظر
در در کی کھا کے ٹھوکریں اب ہم سنبھل گئے

آگے رہا ہے ایسے بھی اُستاد کا مقام
استاد پہلے پڑھ کے جو میری غزل گئے

ہم پر اثر یہ دورِ گرانی کا ہے رحیم
دعوت تو بے محل تھی مگر مع محل گئے



چاپلوسی کو بھی تشہیر کا زینہ سمجھو
بات کھوٹی نہیں میری ہے کھری نا سمجھو

ہو اگر حور بہت دور تو کس کام کی ہے
ہاتھ لگ جائے کلوٹی تو حسینہ سمجھو

نشہ بندی کا حکومت نے جو اعلان کیا
جام اُن آنکھوں کو گردن کو ہی مینا سمجھو

غیر مطبوعہ جو اُستاد کا دیواں مِلے
اس کو قسمت کا عطا کردہ دفینہ سمجھو

کیا یہ لوہے کے چنے ہیں کہ چبا ہی نہ سکیں
شاعری کو تو مرے یار چلبینہ سمجھو

ناخدا دیش کے کھیلوں میں رہیں جو شامل
دیش کا ڈوب ہی جائے گا سفینہ سمجھو

قدر ہر شئے کی رحیم آج گھٹی جاتی ہے
مرغ و ماہی کو بھی اب دال دلینہ سمجھو



کبھی تو ناز سے لوٹا کبھی اداؤں سے
یہ چھیڑ ٹھیک نہیں ان کی بے نواؤں سے

پریشاں روز میں رہتا ہوں اِن بلاؤں سے
خُدا بچائے مجھے حسُن کے خداؤں سے

بچے ہوئے ہیں خُرافات کی ہواؤں سے
ہماری جھونپڑی اچھی، محل سراؤں سے

خُدا کے واسطے افلاس کو نہ لاؤ یہاں
پیام آتے ہیں لیڈر کو یہ خلاؤں سے

مریضِ عشق ہوں آگے رہے کوئی لیلیٰ
دوا سے کام چلے گا نہ اب دُعاؤں سے

بتائیں کیا جو ہے خلوت میں ماجرا ان کا
دکھائی دیتے ہیں ہم کو جو پارساؤں سے

ہے وائرلس کی سہولت ہمارے گھر میں رحیم
"کسی کے شہر میں کی گفتگو ہواؤں سے"



اس طرح مجمع کو اطراف لُبھا کر رکھنا
ڈُگڈُگی شعر کی اور فکر کا بندر رکھنا

میہماں آنے نہ پائیں کبھی گھر کو اپنے
گھر میں کچھ اُن کے لیے پالتو مچھّر رکھنا

آئی تھی ایسی حکومت کہ خُدا تھا حافظ
جس کے منشور میں تھا ہم کو ڈرا کر رکھنا

جانے کس وقت پڑے کس کی ضرورت تم کو
پھول اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں خنجر رکھنا

کب تلک گود میں کتّوں کو کھلاؤ گی مسز!
اپنے بچوں کو بھی کچھ دیر اُٹھا کر رکھنا

یوں مگر مچھ کی طرح تم نہ بہاؤ آنسو
"بُوند آنکھوں میں نہیں دل میں سمندر رکھنا"

دادِ دل کھول کے احباب تمہیں دیں گے رحیم
شرط یہ ہے کہ اُنھیں چائے پلا کر رکھنا



جا کے گاؤں میں اپنے شعر یوں سناتے ہیں
جیسے ملک کے باہر ہم بلائے جاتے ہیں

بن کے وہ سخن ور جب محفلوں میں آتے ہیں
ذکر پان کا کیا ہے شعر بھی چباتے ہیں

بے بصر ہیں ناداں ہیں لیڈر آج کے اکثر
کب یہ عقل کے اندھے راستہ دکھاتے ہیں

دل پہ ہی نہیں بجلی جیب پر بھی گرتی ہے
سامنے مرے آکر جب وہ مسکراتے ہیں

دلفریب ہوتی ہیں رہنما کی تقریریں
وہ فریب دیتے ہیں ہم فریب کھاتے ہیں

دودھ میں نہاتے تھے جو کبھی زمانے میں
اب وہ شاہزادے بھی دھوپ میں نہاتے ہیں

اے رحیم جیتے جی مل نہ پائے گی شہرت
لوگ خود فریبی میں یہ بھی بھول جاتے ہیں



چمکے ہیں مقدر بھی کیسے جھاڑو تاروں کے
بیٹھے ہیں وہ پہلو میں آج ماہ پاروں کے

ہم کو کیا ضرورت ہے نوکری کی اب یارو
بن گئے ہیں ہم خازن مختلف اداروں کے

چاہتے ہیں علامہ بن کے خوب اترائیں
ڈھونڈتے ہیں حلقے کو ہم بھی اب گنواروں کے

گوشت کی یہ مہنگائی اس مقام تک لائی
آ گیا مرا معدہ نرغے میں اچاروں کے

جب سے ہم نے اپنایا ٹیلرنگ کا پیشہ
ناپ لیتے رہتے ہیں شرٹ کے غراروں کے

چھوٹی چھوٹی باتوں سے تنگ کرتے رہتے ہیں
ہیں بڑے بڑے احساں ہم پہ اپنے یاروں کے

اے رحیم آہوں کا یہ دھواں تو کہتا ہے
"اس طرف سے گزرے ہیں قافلے گنواروں کے"



رُلا رہے ہیں مرے سر سے گر کے بال مجھے
تمہارے حسن و جوانی کا ہے خیال مجھے

یہی ستم تو دلاتا ہے اشتعال مجھے
بنائے رہتے ہیں احباب اپنی ڈھال مجھے

پھنسائے دام بہت اس کی زُلف نے لیکن
بچا لیا مرے مالک نے بال بال مجھے

ہر ایک طرح مقدم ہے حق ہمسایہ
پڑوسیوں کا نہ ہو مُرغ کیوں حلال مجھے

مذاق میں نہ رہے عیب بد مذاقی کا !!
پسند ہی نہیں شعروں میں ابتذال مجھے!

تواضع آم سے کیجے اس احتیاط کے ساتھ
عدو کو طوطا پری دیجیے رسّال مجھے

میں سردیوں میں اکڑتا ہوں محفلوں میں جسیم
منا کے جشن کرے پیش کوئی شال مجھے



لیڈر ہوں مجھکو ڈر سے سروکار ہی نہیں
اب عیب و ہنر سے سروکار ہی نہیں

جس سے ملے جہاں سے ملے لوٹتا ہوں میں
لیڈر ہوں خیر و شر سے سروکار ہی نہیں

ہے ٹیلیفون گھر میں مری دِلرُبا کے بھی
مجھکو تو نامہ بر سے سروکار ہی نہیں

جاتی نہیں جو راہ، مقام مُشاعرہ
ایسی کسی ڈگر سے سروکار ہی نہیں

ہوٹل میں دن کٹے تو کٹے محفلوں میں رات
شاعر ہوں مجھ کو گھر سے سروکار ہی نہیں

لے کر جہیز ان کو تو مُفلس بنا دیا
اب ساس سے خُسر سے سروکار ہی نہیں

جس میں نہ ہو گا اِسمِ مُبارک رحیم کا
ہم کو تو اس خبر سے سروکار ہی نہیں



کوئی سمجھوتہ نہیں ہوگا اکڑ جانے سے
عافیت اپنی ہے بس حکم بجالانے سے

بھوت لاتوں کے نہیں مانتے سمجھانے سے
جو حوالے ہیں ہیں چھوڑو نہ انھیں تھانے سے

بنتِ انگور سے کچھ رشتہ جائز ہوگا
آج واعظ جو نکل آئے ہیں مئے خانے سے

نرس کو دیکھ کے بیمار ہوا ہوں بے شک
گھر مرا دور نہیں اس کے دواخانے سے

وعدے ہی وعدے لیے آتے ہیں لیڈر سارے
انتخابات کے موسم کے پلٹ آنے سے

میں ہوں مشہور زمانہ مرا چرچا ہے بہت
میری تصویر کبھی چھپ جائے گی اب تھانے سے

اس پہ غلّے کی گرانی کا اثر کیا ہوگا؟
بس مزے میں ہے رحیم آپ کا غم کھانے سے



شہرت کی جو راہیں ہیں وہ دشوار بہت ہیں
پھر اس میں بھٹکنے کے بھی آثار بہت ہیں

واقف نہیں خود منزلِ مقصود سے اپنی
کہنے کو یہاں قافلہ سالار بہت ہیں

ہر روز ہوا کرتی ہے اک شعر کی محفل
لگتا ہے کہ اس شہر میں بیکار بہت ہیں

گندی ہے ادب کی بھی سیاست مرے بھائی
کم ہیں شرفاء تو یہاں اشرار بہت ہیں

اِس واسطے دِل اوروں کو دے بیٹھا ہوں میں بھی
"سینے میں اگر دِل ہو تو آزار بہت ہیں"

یہ کیسا سِتم ہے کہ نہیں حاشیہ کچھ بھی
اِس پر بھی مرے حاشیہ بردار بہت ہیں

پابند ہوں میں سات ہی شعروں کا رحیم اب
ویسے تو غزل میں مری اشعار بہت ہیں



وعدہ کرنا توڑ دینا یہ تو لاچاری نہیں
پوچھتا ہوں لیڈروں سے کیا یہ مکاری نہیں

کام کرتا ہے بہت اور دام اُس کے کم سے کم
خانگی یہ نوکری ہے کوئی سرکاری نہیں

بال چھوٹے جسم پر جرسی ہے تنگ اور جینس ہے
جس میں عورت پن نہیں ہے سچ ہے وہ ناری نہیں

دیکھتے ہیں پنڈت اور مُلّا بھی آنکھیں پھاڑ کر
یہ سری دیوی کی صورت ہے کسے پیاری نہیں

کار میں پھرتا ہے وہ جو بن کے لیڈر کا غُلام
سب کی بیکاری کے جیسی اُس کی بیکاری نہیں

اس زمانے میں ہنسانا ہے ثواب جاریہ
مُردہ دل کے پاس لیکن فیض یہ جاری نہیں

یہ مرض موذی ہے لیکن سنیئے اس کو سامعین
شاعری کی لگنے والی کوئی بیماری نہیں

ہے ترنم اوروں کا اور شعر بھی اوروں کے ہیں
داد پا لینا اُنھی سے کیا یہ فنکاری نہیں !!

یوں گلے بازوں میں ہم کو اب نہ شامل کیجئے
یہ ترنم ہے ہمارا کچھ گلوکاری نہیں!

بہرے ہیں ذہنوں پہ اپنے ہونٹوں پہ تالے بھی ہیں
یہ تو کمزوری ہے اپنی کوئی خودداری نہیں

خون میں میرے ہے شامل جیسے شکر کا مرض
شاعری کی جانے والی مجھ سے بیماری نہیں

کیوں چمکتے ہیں وہ میرے شعر سُن کر بزم میں
شعر یہ نازک ہیں میرے کوئی بمباری نہیں!

کر رہا ہوں شاعری کے معرکے سر اے رحیم
گھر میں آٹا دال چاول اور ترکاری نہیں





ہم اُن کے سنم کو بھی کرم بول رہے ہیں
اور کھا کے حماقت کی قسم بول رہے ہیں

آنکھ آئی ہے اُن کی تو ہوا فائدہ ایسا
وہ سامنے کم آتے ہیں کم بول رہے ہیں

کہنے کو شرم، شرم ہمیں آئے گی کیوں کر
جب "جوش" "چناجور گرم" بول رہے ہیں

شادی کا ہے مارا ہوا یا ہے کوئی شاعر
"چہرے پہ جو تحریر ہیں غم بول رہے ہیں"

جاری جو رہے جنگ تو ہے فائدہ ہم کو
بغداد سے نیویارک کے بم بول رہے ہیں

ہم جیب میں رکھتے ہیں قلم اور کسی کا
کچھ لوگ ہمیں اہلِ قلم بول رہے ہیں

کہتے ہیں رحیم اس کو یہ ہے عشق کا مارا
حیرت ہے کہ پتھر کے صنم بول رہے ہیں



اِس طرح شامل مجھے جُوّے میں ہونے دیجئے
گھر میں گر پیسے نہیں ہیں تو بکونے دیجئے

ایک رحمت ہے ہنسی رونا ہے زحمت دوستو
آپ ہنسئے کوئی روتا ہے تو رونے دیجئے

دَور آیا ہے دھماکو، ہاتھ میں ریموٹ ہو
بھول کر بچوں کو اپنے مت کھلونے دیجئے

ہو گیا بیگم کے سر پر بھوت سِکّے کا سوار
کام آسانی سے یہ ہوتا ہے ہونے دیجئے

ہو مُبارک آپ کو یہ پھول کے ہاروں کا بوجھ
اور جنتا کو غموں کا بوجھ ڈھونے دیجئے

بھاگ جائیں اپنے گھر کو چھوڑ کر ہی دوستو
ظُلم اپنے پر بہر صورت نہ ہونے دیجئے

آپ اُٹھیئے اور رُسوئی کو سنبھالیں اے رحیم
سو رہی ہیں آپ کی بیگم تو سونے دیجئے



گھپلا ہے گھٹالہ ہے حوالہ بھی یہاں ہے
بدنیتی سرکار کی ہر سمت عیاں ہے

ملتی ہے وہیں قرض کا امکان جہاں ہے
دُنیا میں خوشی عید کی ہر سمت کہاں ہے

لے لے تو مکاں ایک کرایے سے بہر دوست
کمزور ہے مالک تو سمجھ اپنا مکاں ہے

ہنسنے کی ہوں باتیں تو ہنسی آتی ہے مجھ کو
اس دَور میں ہنسنے کا تصور بھی کہاں ہے

اخبار میں چھپوادی ہے تصویر پُرانی !
خوش فہمی میں رہتا ہے کہ اب تک بھی جواں ہے

اُستاد کی یہ دین ہے اپنا نہیں کچھ بھی
تازہ ہے مری فکر ہر اک شعر رواں ہے

ہر وقت سُناتا ہے رحیم اپنی ہی سب کو
شاعر ہے مگر منہ میں تو لیڈر کی زباں ہے



ہے چاپلوسی مزاج میں، تو ہو مست سوز میں ساز میں
یہی خصلتیں تو ہیں لازمی یہاں ہر مشاعرہ باز میں

تو جو تھا مسافرِ الفجر تو چلا گیا ہے جہاز میں
ترے نقشِ پا ہمیں مل سکے نہ نشیب میں نہ فراز میں

میں اسیرِ زلف نہیں ہوا یہی سوچ کر مری دلربا
کہ ہزاروں قیدی تڑپ رہے ہیں تمہاری زلفِ دراز میں

تھا حوالے کا وہ معاملہ جو حوالے جیل کے کر گیا
جسے میں نے رکھا تھا دوستو کئی سال صیغۂ راز میں

یہ عجیب دور ہے آج کا کہ ہے ہر طرف یہی شعبدہ
کہیں گھانس بن گئی زعفران کہیں سیب مل گئے پیاز میں

یہ بگھارا کھانا، یہ دالچہ ہے پرانے دور کا ذائقہ
رہیں مرغ و ماہی کی دعوتیں مرے مرشد اب تو نیاز میں

کوئی بیوٹی پارلر آیا تھا کہ جوان بن کے دکھائے گا
تو حقیقتیں کئی کھل گئیں ہیں رحیم حسنِ مجاز میں



حوروں کو ڈھونڈتی ہے مسلسل نظر ابھی
یعنی جھکی نہیں ہے ہماری کمر ابھی

وعدہ کیا ہے پورا، مرے رہنما نے آج
مجھ کو وثوق سے ملی جھوٹی خبر ابھی

حالات اب زمانے کے سنبھلیں گے کس طرح
جب خود بشر ہے ہر طرح مائل بہ شر ابھی

ہوٹل میں دن تو رات کٹے محفلوں میں جب
میرے لیے سرائے ہی لگتا ہے گھر ابھی

اردو کو کس طرح سے ترقی ملے گی جب
کہتے ہیں صدر کو تو یہاں پر صدر ابھی

جب ہم گلے ملیں تو ہو پاکٹ ہی لاپتہ
دیکھا نہیں ہے آپ نے میرا ہنر ابھی

رخصت سفر میں چاہیے چمچہ گری رحیم
رکھنا ہے جاری تم کو ادب کا سفر ابھی



غزل اخبار میں میری چھپی ہے
مگر تصویر اس میں اور کی ہے

یہ جنگ اب قاضیوں میں چھڑ گئی ہے
گزر تیری نہیں ہے یہ مری ہے

یہ کرسی بھی کسوٹی ظرف کی ہے
خسر داماد میں یک ٹھن گئی ہے

سیاہی دل کی تم اب تو نکالو
کہ بالوں میں سفیدی آ گئی ہے

میں پکا جانشین استاد کا ہوں
غزل استاد سے میری لڑی ہے

ترنم کی دبا پہنچی یہاں تک
صدا کے ساتھ سازوں کی کمی ہے

غزل سگریٹ کی ڈبی میں لے لو
رحیم آسان اپنی شاعری ہے



آدمی میں اس قدر اب شومیٔ افکار ہے
"آدمی سے آج خود انسانیت بیزار ہے"

جس کو دیکھو پوچھنے آتا ہے میری خیریت
کوئی مجھ سے یہ نہیں کہتا عدو بیمار ہے

عام باتیں عام لہجہ عام تیور عام رنگ
آپ کا دیوان گویا آم کا اچار ہے

ریس اور جوئے پہ پابندی نہیں اس شہر میں
مے کشی کا انتظام البتہ سرحد پار ہے

پڑھ کے اک شاعر کے بارے میں خبر کہتے ہیں لوگ
یہ حقیقت میں نہیں اخبار میں بیمار ہے

پورب اور پچھم کی ہے تہذیب میرے زیب تن
ہے دکن کا کوٹ اور پنجاب کی شلوار ہے

کیسے کیسے مخلصوں کے پاس جاتا ہوں رحیم
کوئی بھی کہتا نہیں ہے ناشتہ تیار ہے



لوگ جو بے ضمیر ہوتے ہیں
ہوتے ہوتے وزیر ہوتے ہیں

زُلف کے جو اسیر ہوتے ہیں
شاعری میں وہ سیر ہوتے ہیں

لڑتے رہتے ہیں جو میاں بیوی
اُن کے بچّے شریر ہوتے ہیں

سامنے ہوں اگر حسیں چہرے
حادثے ناگزیر ہوتے ہیں

ہیں بھیانک بہت فرشتوں میں
وہ جو منکر نکیر ہوتے ہیں

پھرتے رہتے ہیں بن کے خود اخبار
بعض ایسے مُدیر ہوتے ہیں

عشق ایسی بلا ہے جس میں رحیم
لکھ پتی بھی فقیر ہوتے ہیں



حسینوں میں برا چرچا بہت ہے
کہ میرے نام پر ورثہ بہت ہے

بہت اچھی ہے مہ پاروں کی صحبت
مگر اس کام میں خرچہ بہت ہے

قیادت کھو رہی ہے قدر اپنی
کہ اِس میں آج کل دھندہ بہت ہے

بہت اُونچے سے ٹیلے پر کھڑے ہیں
بڑائی کا جنھیں دعویٰ بہت ہے

وہ اپنی جھریاں دیکھیں تو بولیں
ارے! یہ آئینہ چھوٹا بہت ہے

وہ شوہر جس کی ہو طرار بیوی
ہے خوش قسمت اگر بہرا بہت ہے

رحیم اب تو بدل دے نام اپنا
کہ تیرے نام پر قرضہ بہت ہے



ہمارے سامنے آئے کوئی کیا اس کی ہمت ہے
ہماری شاعری میں سارے استادوں کی محنت ہے

مجھے پرہیز چاول کا ہے چاول کھا نہیں سکتا
کہ مجھ کو مرغ و ماہی اور مٹن کی ہی ضرورت ہے

ہمارے شعر پر دو داد آہستہ تو سُن لیں گے
کلام اوروں کا سُننے میں ذرا ثقلِ سماعت ہے

اسے اندھیر نگری اور چوپٹ راج کہہ لیجے
یہاں بے قاعدہ برقی ہے تو پانی کی قلت ہے

حکومت ہے پریشاں خود، خزانے سارے خالی ہیں
مگر ہر محکمہ میں گرم کاروبارِ رشوت ہے

میں خالی پیٹ پھرتا تھا مریدی کے زمانے میں
بنا ہوں جب سے مرشد میری ہر اک گھر میں دعوت ہے

فقط دشمن ہی کیا ہیں دوست بھی جلتے ہیں اب مجھ سے
بنائے دشمن کیا ہے رحیم اک میری شہرت ہے



دونوں کے اب بہکنے کا کوئی گماں نہیں
اب وہ حسیں نہیں ہیں تو میں بھی جواں نہیں

اپنی نظر میں کتنے ہی ایسے میاں نہیں
ہیں بیویاں تو چار، مگر اِک مکاں نہیں

یہ قتل و خوں تو روز کا معمول ہے جناب
یہ مت کہو کہ مُلک میں امن و اماں نہیں

عینک کو پونچھ پونچھ کے تکتے ہیں آج بھی
آنکھیں ہوئیں ضعیف تو کیا دل جواں نہیں

سُنتے ہیں کھلنے والی ہے ہوٹل وہاں کوئی
اب چاند پر ہی جائے پئیں گے، یہاں نہیں

مَیں ناز اُٹھاؤں اُن کے تو ٹل جائے میری ناف
اِتنا بھی میرے دوستو مَیں ناتواں نہیں

اپنا لفافہ لے کے وہ خود آ گئے رحیمؔ
اب ڈاکیہ بھی اُن کے مرے درمیاں نہیں



یہ انٹرویو میں پوچھا تھا مجھی سے
سفارش لائے ہو تم کیا کسی سے

پسر لکھتا ہوں اب تک بھی پدر کو
کیا ہے یہ ملے میں نے فارسی سے

مگر مجھے جان کر خوابوں میں اکثر!
میں ڈرنے لگ گیا ہوں چپکلی سے

ہم آزادی کا مطلب آج سمجھے
ہے بہتی دو قدم آگے پتی سے

نہیں آمادہ کوئی قرض دینے
بڑا نقصان ہے یہ شاعری سے

ہوا یہ فائدہ شادی سے ہم کو
ہوئے آگاہ رسمِ خودکشی سے

رحیم اس دیش کا کیا حشر ہوگا
پریشاں رہنما ہیں آپ ہی سے



دلبروں کی ٹولیاں اور وہ بھی اِس دِل کے لیے
جو نہ گھر کے واسطے ہے اور نہ محفل کے لیے

ایٹمی طاقت بڑھی تو بڑھ گیا ہے اختلاج
بم دھماکہ موت کا اعلان بزدل کے لیے

انقلاب آیا تو یہ ہے مُفتیوں کا حالِ زار
پہلے حق کے واسطے تھے اب ہیں باطل کے لیے

کِس طرح سے مَیں چُھپا تا یار سَرقے کی غزل
یہ غزل میں نے رکھی تھی صرف محفل کے لیے

اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے دیش میں میرے حضور
قید معصوموں کے حق میں چھوٹ قاتل کے لیے

مجھ پہ تحدیدات عائد کرنے دیں اہلِ ادب
کیونکہ دردِ سر بنا ہوں اہلِ محفل کے لیے

شاعری ورثے میں مجھ کو مل گئی ہے اے رحیم
تیری کشتی کیوں پریشاں ہو گئی ساحل کے لیے



چلا ہے عشق کا چسکہ وہیں سے
نکلتے ورنہ کیوں خُلدِ بریں سے

گلے میں عید کے مِل لوں گا لیکن
ذرا خنجر نکالو آستیں سے

تعصّب کی جو فصلیں بوئیں ہم نے
"بہ شکلِ گُل اُٹھے فتنے زمیں سے"

رہا کرتا ہے پہلو "ہاں" کا اس میں
میں گھبراتا ہوں دلبر کی "نہیں" سے

دِکھانی تھی اگر دوزخ زمیں کی
اُتارا کیوں ہمیں خُلدِ بریں سے

مرا دل ہے دھماکو، آتشیں تم!
نہ گزرو تم کبھی میرے قریں سے

سیہ گھٹّا اُبھر آیا ہے اس پر
رحیم اِتنے کیئے سجدے جبیں سے



بجلی ہے آٹھ آٹھ پہر تک نہ آئے گی
جائے گی شام سے تو سحر تک نہ آئے گی

یہ سوچ کر لڑاتا ہوں رکھا ہے عشق میں
"دشتِ انا کی خاک ہے گھر تک نہ آئے گی"

اچھا وکیل گر متبنّیٰ کو مِل سکے
باوا کی جائیداد پسر تک نہ آئے گی

اُڑ جائے گی جو آنکھوں سے نیند اپنی شام سے
شاعر کی طرح پچھلی پہر تک نہ آئے گی

لُٹ جائے چاہے کوئی اِدھر یا کہ قتل ہو
پولیس ہے اُس گزر کی اِدھر تک نہ آئے گی

جل جل کے میرے نام سے مرتے رہیں گے غیر
ہے یہ حسد کی آگ نظر تک نہ آئے گی

ارماں کا خون لاکھ بہاتا رہے رحیم
سُرخی تو کیا لگے گی خبر تک نہ آئے گی



بزمِ عشرت میں سگاں کا ذکر کیا
موسمِ گُل میں خزاں کا ذکر کیا

میکدہ ہو ساقیٔ گلفام ہو
شیخ یا پیرِ مُغاں کا ذکر کیا

شاعری میں حُسن ہی کی بات کر
اس میں آلامِ جہاں کا ذکر کیا

عشق میں جب ہو گیا صحرا نورد
قیس کے آگے مکاں کا ذکر کیا

کشتیاں ریموٹ سے کنٹرول کر
عہدِ نو میں بادباں کا ذکر کیا

ہے جو رہزن، رہبری کے نام پر
اس امیرِ کارواں کا ذکر کیا!

یہ نہاری مُرغ کی ہے اے رحیم
اِس میں پائے کا زباں کا ذکر کیا



ہم نے ہنس ہنس کے جو لٹائی ہے
اپنے ماں باپ کی کمائی ہے

مفت ہیں اپنی یہ بڑائی ہے
سوٹ اوروں کا اپنی ٹائی ہے

کیسی تقدیر میں نے پائی ہے
واچ اُن کی مری کلائی ہے! WATCH

پارسی نازنیں سے عشق کیا
ہاں یہی میری پارسائی ہے

آپ نے جو سلائی تھی شلوار
بادبانوں کے کام آئی ہے

سہما سمٹا سا پھر رہا ہے عدو
ایسا لگتا ہے گھر جنوائی ہے

بن کے لیڈر رحیم عیش کرو
شاعری کس کو راس آئی ہے



کس طرح سے آئے گا مجھ کو لطف سجدے کا
ہوں نماز میں لیکن ہے خیال جوتے کا

جب سے میرے دل میں ہیں سنگدل حسینائیں
پتھروں کی زد میں ہے اک مکان شیشے کا

کر رہا ہے تنقیدیں شاعروں پہ وہ شاعر
علم بھی نہیں جس کو قافیے برتنے کا

جس کی ہے غزل یارو آگیا وہ محفل میں
اس لیے اُڑا شاید رنگ میرے چہرے کا

پاش پاش ہو جاتا ہے گر اس سے ٹکراتا
میرا دل ہے شیشے کا اور اس کا پیسے کا

دیکھتے ہیں سب مل کر بوسہ بازی ٹی وی پہ
رہ گیا ہے پردے میں اب حجاب پردے کا

اے رحیم مل جائے ایک دن کی گر شاہی
مسئلہ کر دوں گا حل شاعروں کے لڑنے کا



میں نے یہ کب کہا ہے کفایت شعار ہوں
مل جائے مفت کا تو میں حاتم کا یار ہوں

کیا اس سے بڑھ کے اور ہو افلاسِ شاعری
اِک عمر سے اسیرِ غمِ روزگار ہوں"

بیمار ایک دو بھی نہیں ہیں ہزار ہیں
میں گلستانِ شعر میں ایسا انار ہوں

میں ہوں گلِ بنفشہ عزیزوں کے واسطے
اور دشمنوں کے حق میں جگر کا بخار ہوں

رکھا چھپا کے اپنے بڑھاپے کو اِس طرح
دورِ خزاں میں لگتا ہے جیسے بہار ہوں

ہیں کاروبار میرے ترقی پہ اِس لیے
دیتا ہوں مال نقد تو لیتا اُدھار ہوں

اِک قسم کا ہے یہ بھی دماغی خلل رحیم!
پی کر سمجھ رہا ہوں کہ میں بھی خمار ہوں



ہمارے دل کی دشمن دلرُبا ہونے نہیں پاتی
سزا کا حکم ہوتا ہے سزا ہونے نہیں پاتی

ادب میں جاہلوں کا بول بالا ہے زمانے سے
کبھی بھی صاف ستھری یہ فضا ہونے نہیں پاتی

کیا کرتا ہوں میں تنقید پر تنقید اوروں پر
"جب اپنے فن سے تسکینِ انا ہونے نہیں پاتی"

ہمارے دور کے شیطان بھی اب یہ سمجھتے ہیں
فرشتے ہیں کبھی ہم سے خطا ہونے نہیں پاتی

گھٹاتی رہتی ہے وہ زلف مردوں کی طرح اکثر
کبھی بھی زلفِ جاناں گھٹا ہونے نہیں پاتی

وہ ہنس کے ملتے ہیں آگے کبھی بڑھنے نہیں دیتے
قیامت ہے یہ کیسی جو بپا ہونے نہیں پاتی

رحیم ان کی زباں بندی جو نیتاؤں نے کر دی ہے
کبھی اونچی رعایا کی صدا ہونے نہیں پاتی



فیصلہ خوب بہ سرکار کیا کرتی ہے
قید مظلوم کو ظالم کو رہا کرتی ہے

میں بھی اندھوں میں بنا رہتا ہوں کانا راجہ
ایسے دیسوں ہی میں تو دال گلا کرتی ہے

عقد کے روز میں ہنستا تھا دلہن روتی تھی
اب میں روتا ہوں دلہن میری ہنسا کرتی ہے

اس کے ہونٹوں کو کسی دھن میں کہا تھا شیریں
گالیاں سنتا ہوں میں اور وہ بکا کرتی ہے

یوں نہ اتراؤ کہ محفل میں بہت داد ملی
شاعری لا کے سڑک پر بھی کھڑا کرتی ہے

اب تو ماں باپ کو آرام ہوا ہے بیشک
تربیت بچوں کو ٹی وی سے ملا کرتی ہے

کوئی عورت بھی ہو بے مرد ادھوری ہے رحیم
بیل پیڑوں کے سہارے سے چڑھا کرتی ہے



اِترائو نہ نوشہ اِسے سمجھو نہ مُنادی
ہے ڈھیر مصائب کا جسے کہتے ہیں شادی

ہے کتنا خبر گیر مرے دیش کا نیتا
ہے پانچ برس میں وہ خبر لینے کا عادی

کمزور پڑوسی سے لیا اِس طرح قبضہ
جو بیچ کی دیوار تھی وہ ہم نے ہی ڈھا دی

عاشق سے بنایا ہے جو شوہر ہے مری مات
میں نے بھی کہاں جا کے بساط اپنی بچھا دی

اے دوست ہوئی قرض کی وہ بات پُرانی
اب تو بھی بھُلا دے اُسے میں نے بھی بھُلا دی

تشہیر کا تھا شوق تو بوڑھے نے پسِ مرگ
اخبار میں تصویر جوانی کی چھپا دی

چکر میں رحیم اُن کے لیے اِتنا پھرے ہم
ڈھانچے سے نظر آنے لگے چھٹ گئی بادی



مرے آگے کوئی ٹکتا نہیں ہے
غلو ہے یہ مرا دعویٰ نہیں ہے

ملی ہے تربیت ٹی وی کی جب سے
ہو بیٹا باپ ہے بیٹا نہیں ہے

ہر اک آتا ہے بس منہ کو اُٹھائے
مرے گھر کو جو دروازہ نہیں ہے

بری صورت سے نظر آتا ہوں شاعر
مجھے لُٹنے کا اب خدشہ نہیں ہے

کھپا بیٹھے ہیں اُس کو شاعری میں
ہمارے سر میں اب بھیجا نہیں ہے

لگائے شرط وہ دُلہن ہو گُونگی !!
اگر دُلہا کوئی بہرہ نہیں ہے

رحیم اب شاعری سے کر لو توبہ
کہ اِس میں کوئی بھی پیسا نہیں ہے



جلتی ہے میری بیوی پڑوسن کو دیکھکر
سوتن جلے ہے جیسے کہ سوتن کو دیکھکر

دیکھی ہے جب سے شیخ نے "ہم آپکے ہیں کون"
گانے ہی گا رہے ہیں وہ سمدھن کو دیکھکر

کپڑے ہیں صاف پھر بھی دھلاتا ہوں بار بار
دیوانہ ہو گیا ہوں میں دھوبن کو دیکھکر

چشمہ نہیں ہے آنکھوں پہ اس واسطے جناب
گردہ سمجھ رہا ہوں میں بیگن کو دیکھکر

عورت کی طرح مرد بھی ڈالے ہے چوٹیاں
آتی ہے شرم آج کے فیشن کو دیکھکر

حالات نے بگاڑ دیا ایسا شکل کو
گھبرا گیا ہوں خود مرے درپن کو دیکھکر

دھونا لکھا ہے میرے مقدر میں اے رحیم
ڈرنے لگا ہوں میں کسی برتن کو دیکھ کر



ہے عام جو رہائی گنہگار کے لیے
چیلنج ہے یہ آج کی سرکار کے لیے

قاتل ہے دھوکہ باز ہے زانی ہے ڈاکٹر
ہڑتال اور ایسے خطاوار کے لیے

آئے گا ایسا دور برے دور میں ضرور
انعام رکھے جائیں گے اشرار کے لیے

کاندھے ملیں گے چار جو ہوں بیویاں بھی چار
انصاف چاہیے گا میاں چار کے لیے

حق بات کہنا آج بھی دشوار ہو گیا
پھانسی گلے کا ہار ہے فنکار کے لیے

ردّی میں مل گئی ہے غزل طرح کی مجھے
در در بھٹک رہا تھا میں اشعار کے لیے

فطرت میں میری چمچہ گری ہے کہاں رحیم
موزوں نہیں ہوں میں کسی دربار کے لیے



بہت کچھ یاد رکھنے پر بھی اکثر بھول جاتا ہوں
بھلی عادت ہے میری قرض لے کر بھول جاتا ہوں

مرا پیشنٹ مجھ کو زندگی بھر یاد رکھتا ہے
میں اس کے پیٹ میں رکھ کر جو نشتر بھول جاتا ہوں

پڑوسن کے مکاں میں روز گھس پڑتا ہوں میں بے شک
مری غائب دماغی دیکھیے گھر بھول جاتا ہوں

مجھے مرغِ مسلم کی تو دعوت یاد رہتی ہے
اگر ہو دعوتِ شیراز یکسر بھول جاتا ہوں

میں چکنی چوپڑی باتوں میں پھنس جاتا ہوں بالآخر
یہ باتیں کر رہا ہے ایک لیڈر بھول جاتا ہوں

مرے پیچھے ٹریفک چیختی رہتی ہے روزانہ
کھلا رکھ کر جو اپنا انڈیکیٹر بھول جاتا ہوں

میں دعوت میں تو میٹھا خوب کھاتا ہوں رحیم اب بھی
ہے میرے خون کے اندر بھی شکر بھول جاتا ہوں



ہماری عرض بس اِتنی ہے خدمت میں کنواروں کی
سنبھالو ہوش حالت دیکھ کر شادی کے ماروں کی

میں شاعر ہوں لیے ہے میرے پاس دولت استعاروں کی
مری نظروں میں اب کیا حیثیت ہے چاند تاروں کی

ہے میرے سامنے بیوی تصور میں ہے محبوبہ!
"نظر میں ہے خزاں دل میں تمنا ہے بہاروں کی"

کبھی نظموں کی یورش ہے کبھی غزلوں کی بارش ہے
عنایت کم نہیں ہے ہم پہ اپنے یعنی یاروں کی

کھڑے ہیں قرض خواہوں کے ہی بازو آج نُھیڑ میں
ذرا ہمت تو دیکھیں آپ ہم سے قرض داروں کی

میں اپنے گھر میں رہ کر آسماں کی سیر کرتا ہوں!
مرے البم میں تصویریں ہیں سب فلمی ستاروں کی

منائیں گے رحیم اب اپنے ہی پیسوں سے جشن اپنا
کہ پیسہ پھینکیے تو کیا کمی پھولوں کے ہاروں کی!



اب اُن کی زلف کہاں ہم کو یاد آنے کی
نہیں ہے اب ہمیں فرصت بھی سر کھجانے کی

وہ مار کھا کے ہی چھوٹے گی دیکھنا آخر
ہے ہوٹلوں میں جو عادت اُدھار کھانے کی

شریکِ میکشی میڈم ہیں گھر میں پیتے ہیں
جو لت تھی چھوٹ گئی میکدے کو جانے کی

بنا ہوا ہے جو نیتا غریب کا چمچہ
بدل کے رہ گئی قسمت غریب خانے کی

کرو تم ووٹ کا یونہی مطالبہ ہم سے
کہ ہم کو پڑ گئی عادت فریب کھانے کی

ہے مالدار جو شاگرد تو سمجھ لیجیے
کہ ہاتھ آگئی کنجی کسی خزانے کی

مسالہ دار ہیں ایسے تمہارے شعر رحیم
دکاں ہو جیسے کہ الفاظ کے کرانے کی



شعر اوروں کے چُرا کر ہم کبھی پڑھتے نہیں
اس لیے شعروں کے اپنے ہر جگہ چرچے نہیں

اُڑتے رہتے ہیں فلک پر تیز تر رفتار سے
یہ گرانی کے پرندے آج تک لوٹے نہیں

ایم اے پی ایچ ڈی بھی کر لی دوست نے میرے مگر
لفظِ اُردو کے ابھی وہ جانتے ہجّے نہیں

کونسی محفل میں آخر شعر پڑھنے چاہیے
نوجوانوں میں نہیں ہیں اور ہم بوڑھے نہیں

تھا تلفظ اپنے استادوں کا بھی اکثر غلط
مسئلہ ہے لفظ بے شک دوستو مسلے نہیں

دور درشن کی عنایت سے ہوئے مقبول ہم
ورنہ اچھے اچھے شاعر کے یہاں چرچے نہیں

خبط ہے قد آوری کا جس کو اس سے کہہ رحیم
قد کے ہم چھوٹے ہیں لیکن فن میں ہم کھوٹے نہیں



ہمارے عشق کی روداد مختصر بھی نہیں
ہم ان کو روک رکھیں اپنا یہ اثر بھی نہیں

ہم اس کے پیڑ کے اندر بنا لیں گھر اپنا
ہمارے شہر میں ایسا کوئی شجر بھی نہیں

کسی کے جیب کا ہو مال اپنا ہو جائے
ہمارے ہاتھ میں ایسا کوئی ہنر بھی نہیں

تمہاری بزم بھی ایسی ہے میرا گھر جیسے
بریک فاسٹ نہیں لنچ اور ڈنر بھی نہیں

مٹھائی گھر میں ملاؤں میں اس کو کیسے رکھوں
کہ اس کو بی پی نہیں ہے اسے شکر بھی نہیں

وہ اپنے پاؤں میں مہندی لگائے بیٹھے ہیں
کسی کی قبر بنی اور انھیں خبر بھی نہیں

رحیم لوگ نہ چمچہ گری سمجھ بیٹھیں
ہو انکسار مرے بھائی اس قدر بھی نہیں



ہیں ردائے مفلسی تانے ہوئے
ہم بھی شاعر ہیں بڑے مانے ہوئے

"تو تو میں میں" کا سبق دینے کو اب
دُور درشن والے ہیں ٹھانے ہوئے

ضبط کر کے لائی جاتی ہے شراب
تھانے پولیس کے بھی مے خانے ہوئے

راج کر لیتے ہیں اندھوں میں سبھی!
یہ بھی کیا کم ہے کہ ہم کانے ہوئے

معتقد کی جیب خالی ہو گئی
حق میں مُرشد کے یہ نذرانے ہوئے

چور دروازوں سے ہو کر مستفید
ہم بھی ہیں استاد اب مانے ہوئے

ہوش کم ظرفوں نے خود کھوئے رحیم
مُفت میں بدنام مے خانے ہوئے



چھوڑے گا مجھے کیسے خرافات کا بچھّو
یہ تو ہے ازل سے ہی مرے ساتھ کا بچھّو

مانگے نہ کبھی پانی بھی کاٹا ہوا اِس کا
لیڈر کو سمجھ لیجیے بڑی ذات کا بچھّو

اب ہاتھ پہنچتا ہی نہیں کیسے نکالوں
"پھر بیٹھ پہ چڑھ بیٹھا ہے حالات کا بچھّو"

آنے ہی نہیں دیتا کسی کو کبھی آگے
میدانِ ادب میں ہے جو کم ذات کا بچھّو

تحریر ہو اچھی یا بُری کرتا ہے تنقید!
ناقد تو ہوا کرتا ہے عادات کا بچھّو

جوتے ہی ہوا کرتے ہیں بچھّو کا مقدر
جائے گا حوالے میں حوالات کا بچھّو

شعروں میں رحیم ایسا ہے کچھ تیرا وطیرہ
سب تجھ کو سمجھنے لگے عادات کا بچھّو



بتائی فلم کچھ ایسی ہیں صدقے جاؤں فیشن کے
کہ اب بے خوف گُن گانے لگے سمدھی بھی سمدھن کے

جلاتے ہیں یہاں پر بستیوں کی بستیاں لیڈر
ہمارے دیش میں بھی پوجنے والے ہیں راون کے

جو شیدا ہیں وہ ڈنڈی کی بھی یوں تعریف کرتے ہیں
نہیں ہے میخ، بلکہ تاج ہے یہ سر پہ بیگن کے

چڑیل آئی بھی تو میں اس کو رشکِ حور کہتا ہوں
ہری لگتی ہے ہر اک چیز جو اندھے کو ساون کے

وٹامن کے لیے وہ خود تو میوے کھائے جاتے ہیں
فوائد ہم کو گنواتے ہیں ادرک، پیاز، لہسن کے

اُنھیں سے محفلوں میں روشنی بھی ہے دھواں بھی ہے
خیال آتا ہے جن کا ذکر سے برق و نشیمن کے

جو ذوقِ شعر نے گنجہ کیا اور جُھریاں بخشیں
تبسم اب سامنے آتا نہیں بھولے سے درپن کے



داد ملتی ہے جو مجھ کو یہ کرم کس کا ہے!
میرے اشعار میں مت پوچھیے دم کس کا ہے

کون علامہ ہے یہ زورِ قلم کس کا ہے
دم ہے کس میں کی جگہ لکھتا ہے دم کس کا ہے

کھا کے جنتا کی کمائی جو نہ لے ایک ڈکار
کہیے لیڈر کا نہیں ہے تو شکم کس کا ہے

قہقہہ زار بنی بزم جو تھی سنجیدہ!
پھلجھڑی کی طرح پھوٹا ہے سو بم کس کا ہے

ادباً پوچھتا ہے مجھ کو کبھی واعظ سے
راہِ مئے خانے میں یہ نقشِ قدم کس کا ہے

ساری مشکوک نگاہوں نے یہ پوچھا مجھ سے
جیب میں آپ کے جو ہے وہ قلم کس کا ہے

سُن کے سب میرا ترنم یہ بھلا بیٹھے ہیں
شعر میں جان، مضامین میں دم کس کا ہے



رہتا ہے جو شوہر یہاں بیگم کے اثر میں
گھر کا ہے نہ وہ گھاٹ کا ہے میری نظر میں

سنتی ہی نہیں میری چلاتی ہے بس اپنی
ہیوی ہے کہ ٹاڈا کی عدالت مرے گھر میں

بکنی میں نظر آتی ہیں کچھ اور حسیں آپ
بس تیرتے رہیئے گا مرے دیدۂ تر میں

جدت کا میں شاعر ہوں اڑا لیتا ہوں ہاتھی
اور پیڑ اگا دیتا ہوں میں شمس و قمر میں

ٹی وی کی عنایت ہے کہ بے شرم ہے اولاد
کچھ فرق ہی باقی نہ رہا عیب و ہنر میں

اب مولا علی جاؤں گا اس بزم سے اٹھ کر
ایک اور بھی محفل ہے جو سنتوش نگر میں

اب آپ رحیم اپنے کو محفوظ نہ سمجھو
پولس بھی سنا آج ہے غنڈوں کے اثر میں



مجھے داد کیوں نہ ملے گی اب سبھی سامعینِ کرام سے
کبھی استفادہ سعیؔ سے ہے کبھی ہے جگرؔ کے کلام سے

ہے شاعروں کی بدولت ہیں گئے یارو اپنے ہی کام سے
نہ پلٹ کے آئے ہیں صبح تک جو نکل گئے سرِ شام سے

وہ جو ٹھیکدار ادب کے ہیں انھیں خوف ہے تو ہے واجبی
مرے ذکر سے مری فکر سے مری شکل سے مرے نام سے

کرے نیتا دعدے عوام سے جو ہیں عام کور نہوں کبھی
کوئی خاص بات وہ کیا کرے ہے خطاب جلسۂ عام سے

مجھے تم عروج نہ دو کبھی کہ نشہ بُرا ہے عروج کا
ہیں جہاں ہوں آپ وہی ٹھیک ہے نہ گراؤ اپنے مقام سے

ہے انھیں کے ہاتھ میں چاند اِدھر ہے انھیں کے ہاتھ میں چاند نی
کریں عید ہم کہ نہیں کریں ذرا پوچھو شاہی امام سے

وہ جو لے رحیم ہیں مزدوج وہ اسیرِ عمرِ تمام ہیں
ہیں کنوارے جو ہیں بچے ہوئے ہیں ابھی وہ حبسِ دوام سے



چین سے امن سے رہنے کا ہُنر رکھتے ہیں
سانپ رکھتے ہیں نہ ہم گھر میں خُسر رکھتے ہیں

اپنے سینے میں جو پتھّر کا جگر رکھتے ہیں
گھر میں شاعر کو وہ بے خوف و خطر رکھتے ہیں

ایک مصرعہ بھی سلیقے سے نہیں کہہ سکتے
جھوم کر شعر سُنانے کا ہُنر رکھتے ہیں

ایک عورت کے لیے کُرسی کو ٹھکرا ڈالا
دل ہے شیشے کا تو پتھّر کا جگر رکھتے ہیں

خرچ لاکھوں کا کیا کرتے ہیں وہ شادی پر
اس طرح سارے غریبوں پہ نظر رکھتے ہیں

کیا میں لوگوں کی اُڑا لیتا ہوں جیبیں یارو
کیوں مری جیب پہ سب لوگ نظر رکھتے ہیں

چشمِ رنگین لگائے ہوئے سوتے ہیں رحیم
خواب بھی آنکھوں میں ہم ٹیکنی کلر رکھتے ہیں



سُہانے خواب دکھاتے ہیں حکمراں کیا کیا
بلندیوں کے ہیں سایے میں پستیاں کیا کیا

پتہ نہیں ہے یہ جمہور کے محافظ کو!
ہمارے سر پہ بھی ٹوٹے ہیں آسماں کیا کیا

بتاؤں تم کو یہ کیسے کہ شرم آتی ہے
ستم جو ڈھاتی ہیں مردوں پہ بیویاں کیا کیا

ہمارے شعر تو خنجر سے تیز ہوتے ہیں
یہ دیکھنا ہے دکھاتی ہے اب زباں کیا کیا

غریب جنتا ہے بدحال حکمراں خوش حال
معاہدے تو تھے دونوں کے درمیاں کیا کیا

اگر یہ پیٹ نہ ہوتا تو کیا نہیں ہوتا؟
کہ ہم سے جرم کراتی ہیں روٹیاں کیا کیا

رؤف تیر کبھی اور کبھی رؤف رحیم
ہمارے نام کی اڑتی ہیں دھجیاں کیا کیا

ہندی غزل



پریم کا لو نرمان کریں گے
کام ہے یہ آسان کریں گے

کمپیوٹر کی بات نہ پوچھو
ودھوا کو ودوان کریں گے

شاعر کی ہے اُلٹی قسمت
مرنے پر سمّان کریں گے

آپ کی رچنائیں نے سُن لی
آیئے اب جل پان کریں گے

نام پہ فرقوں کے یہ نیتا
شہروں کو شمشان کریں گے

خالی ہے پولس کا خزانہ
پیدل کو چالان کریں گے



لوٹا کر وہ قرض ہمارا
ہم پر اِک احسان کریں گے

نیتاؤں سے آس نہ رکھو
وہ اپنا کلیان کریں گے

مِل جائے سُسرال جو چنگا
ہم بھی جگ میں شان کریں گے

کام نہ کر پائے جو شیطان
کام وہی اِنسان کریں گے

پہلے دے کر دان میں ہوٹر
بعد میں کنیا دان کریں گے

جان اگر مل جائے رحیم اِک
ارپن اُس پر جان کریں گے



بات معشوق کی اب نہ کر
اب تو جھکنے لگی ہے کمر

شاعری کا سبب شاید اثر
آگیا ہوں ہوئیں رو ڈیر

رنگ کالا ہے اُس کا مگر
نام رکھا ہے اُس نے قمر

ہے سیاست کا ندو تبزز
راہ زن بن گیا راہبر

کیسے اندھے ہیں وہ دیدہ ور
خیر کو بھی جو کہتے ہیں شر

شعر میٹھے ہیں اِس واسطے
کیوں کہ مَیں ہوں مریضِ شکر!

جب وراثت میں ہے شاعری
شاعری سے نہیں ہے مفر!



نہ جُڑ سکے کبھی دِل سے، رابطے ٹوٹے
وہ آبگینے کی مانند تھے، گرے، ٹوٹے

مشاعرے میں بہت داد مِل رہی تھی مجھے
کھُلی جو آنکھ تو خوابوں کے سلسلے ٹوٹے

دراصل ساری خراشیں تھیں میرے چہرے پر
مجھے گمان ہُوا گھر کے آئینے ٹوٹے

جدید شعر میں پتھر بھی اتنے نازک تھے
صبا سے چھیڑ کی تو ریت پر گرے، ٹوٹے

میں آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکا
وہ سانحے مرے سر پر پہاڑ سے ٹوٹے

کسی پہاڑ پہ اب آشیاں بناؤں گا
یہاں چمن میں تو کتنے ہی گھونسلے ٹوٹے

رحیم اچھے ہیں بِلّی کے خواب میں چھیچھڑے
ہمارے خواب تھے کچّے گھڑے، گرے، ٹوٹے



کبھی کبھی یہ حسین حادثات ہوتے ہیں
عدو بھی مائلِ صد التفات ہوتے ہیں

جو لوگ دل میں تعصّب کے بیج بوتیں، وہی
مری نظر میں بڑے واہیات ہوتے ہیں

تم اپنے شہر میں کہتے ہو حادثات جنھیں
ہمارے شہر میں وہ واقعات ہوتے ہیں

جو کائنات کو لاتے نہیں ہیں خاطر میں
وہ اپنی ذات میں اِک کائنات ہوتے ہیں

ضمیر بیچ کے سودا اَنا کا کرلینا
ہم ایسے لوگ کہاں بےصفات ہوتے ہیں

دھماکے، قتل، ڈکیتی، زنا، فساد، غبن
ہمارے مُلک میں یہ واقعات ہوتے ہیں

رحیم وقت کے ہوتے ہیں ترجمان ونقیب
ہمارے شعر کہاں واہیات ہوتے ہیں



یہ انقلاب ہُوا تو ہُوا بپا کب سے
مرے رقیب کا ہے تنگ قافیہ کب سے

ہوئی ہے شاعری میری یہ شاعرہ کب سے
پڑی ہوئی ہے مرے پیچھے یہ بَلا کب سے

علاج تو دلِ بیمار کا ذرا نہ ہُوا
مَیں پی رہا ہوں مرے یار کی دوا کب سے

خبر نہیں درِ تاثیر کے محافظ کو
لٹک رہی ہے مُعلّق مری دُعا کب سے

تم آگئے تو مری آرزو کی دال گلی
رکھا ہُوا تھا فرج میں یہ دلچہ کب سے

ٹپکنے لگ گئی کیوں رال ذکرِ بادہ پہ
زباں پہ آگیا اے شیخ یہ مزا کب سے

رحیم شعر کے ہجے جو کر نہیں سکتا
سُخنوروں کے اکھاڑے میں مِل گیا کب سے



لیڈر رہوں مصلحت سے چلاتا ہوں اپنا کام
ہندو کو رام رام، مسلمان کو سلام

رشوت کا اصطلاح میں کوئی نہیں ہے نام
مل جائے تو حلال ہے، چھٹ جائے تو حرام

اب تو شاعروں سے بھی کٹنے لگے ہیں نام
قدر آوروں سے لینے لگے بونے انتقام

ہمت نہیں ہے اور چلوں دو قدم بھی میں
منزل ہی رکھ لیا ہے ترے راستے کا نام

کہتا ہوں سچ تو لوگ برا مانتے ہیں آج
میں کیا کروں کہ ہے یہ زباں میری بے لگام

بولا ہے کڑوا بول تو میٹھے کی آس کیوں
املی کا پیڑ بوئیں تو کیسے لگے گا آم

آئے گا انقلاب ادب میں بھی اے رحیم
ہوگا گروپ بندی کا اک روز اختتام



مرضی ہے یہ اب اُن کی جزا دیں کہ سزا دیں
مقصد تو ہمارا ہے کہ روتوں کو ہنسا دیں

نیتاؤں سے رکھو نہ کبھی امن کی اُمید
یہ وہ ہیں جو بجھتے ہوئے شعلوں کو ہوا دیں

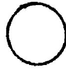
مرجائے نہ کیوں شاعرِ بیمار خوشی سے
بستر پہ اگر اُس کا کوئی شعر سُنا دیں

کاتب ہوں کسی دَور کے ہٹلر سے نہیں کم
وہ چاہیں تو محرُوم کو مرحُوم بنا دیں

موقع جو ملے دیش کے نیتاؤں کو اِک دِن
ہاتھوں سے قلم چھین کے تلوار تھما دیں

کِس طرح غذاؤں میں وِٹامن ہوں مُیسّر
بیچوں میں مِلاوٹ بھی ہے ناقص بھی ہیں کھادیں!

آؤ کہ رحیم آج گلے مِل لیں خوشی سے
اور دال محبت کی محبت سے گلا دیں



ہم تو ٹھہرے سدا کے ہولے ہی
پھنس گئی سمجھے، اُس کے ہنستے ہی

غیر کیوں آئیں گے ستانے کو
ہاتھ دیتے ھیں یار اپنے ہی

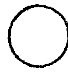
شیر جو تھا وہ بن گیا چوھا
رات کے نشّہ کے اُترتے ہی

پیٹ کا سب غبار دُور ہُوا
اِک ذرا راز کے اُگلتے ہی

چاپلوسی، خوشامد و منّت
کام آتے ہیں سب وسیلے ہی

وہ تو اب پڑ گئے مرے پیچھے
میں نے بس کہہ دیا تھا ایسے ہی

ہے اثر آج سینما کا رحیم
باپ بنتے ہیں آج بیٹے ہی



شاعر ہمارے دَور کے تُجّار ہو گئے
لِکھ کے قصیدے اَوروں کے زَردار ہو گئے

جب سے DIABETIC میں گرفتار ہو گئے
میٹھے ہماری غزلوں کے اشعار ہو گئے

اُلٹے ہمارے دَور کے کردار ہو گئے
دیوار و دَر گرا کے وہ معمار ہو گئے

محبُوبہ سے وہ بیوی بنے فرق یُوں ہُوا
جو شاخِ گُل تھے اب وہی تلوار ہو گئے

کمپیوٹروں کا دَور ہے ٹی وی کی تربیت
بچّے سمے سے پہلے ہی ہوشیار ہو گئے

مقتل بنے گا کیوں نہ ہمارا عزیز دیش
رہزن جو تھے وہ قافلہ سالار ہو گئے

ہر کوئی ہم کو دیکھتا ہے اسطرح رحیم
گویا کہ چلتے پھرتے ہم اخبار ہو گئے



نام مشہور جو ہمارا ہے
اپنے نیچے بڑا ادارہ ہے

میہمانوں کو مرغ بریانی
میزبانوں کو صرف کھارا ہے

جو تھا بستی کا اک بڑا غنڈہ
آج کل رہنما ہمارا ہے

گر ہوں ہر شد سے چار چھ پیدا
سمجھو ہر بنک میں خسارہ ہے

ریس بندی نہیں ہے اب ممکن
اس پہ سرکار کا گزارہ ہے

ہارنے والا ریس میں گھوڑا
وہ بھی دُم دار اک ستارہ ہے

چمچہ گیری ہے آج کا ہتھیار
اب سکندر نہ کوئی دارا ہے

لوگ مرتے ہیں شاعری پہ مگر
ہم کو اس شاعری نے مارا ہے

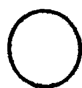
دام بھی بڑھ گئے ہیں ٹیکس کے ساتھ
پھر بجٹ میں یہ کیوں خسارہ ہے

ہائے نسرین بن گئی رشدی
کیا یہ شیطان کا اشارہ ہے

ہے کرپشن ہر ایک شعبے میں
یہ تو معمول ہی ہمارا ہے

ہم ہیں شیطان کی طرح مشہور
دُور درشن کا یہ سہارا ہے

ہے تو شادی شُدہ رحیم مگر
ایسا لگتا ہے وہ کنوارا ہے



شاعری کھاتی رہی بھیجہ برابر اپنا
باوجود اس کے سلامت ہے ابھی سر اپنا

ہم بڑے شعروں کو اپناتے ہیں اس مقصد سے
تاکہ کوئی نہ پڑھے شعر چرا کر اپنا



اب یہ تک بندوں کی کثرت نہیں دیکھی جاتی
شاعری، تیری حجامت نہیں دیکھی جاتی

مَیں ہُوں ایم۔ اے تو مجھے دیجیے لاکھوں کا جہیز
مال اچھا ہو تو قیمت نہیں دیکھی جاتی

بھائی! دینا ہے تو دے دو یہ ریاکاری کیوں
"مانگنے" والے کی حاجت نہیں دیکھی جاتی

ہم ہیں جنّت کی حقیقت سے بھی واقف اے شیخ
اب ہتھیلی میں تو جنّت نہیں دیکھی جاتی

رکھ کے شکّر کا مرض کھاتے ہیں سب دعوت میں
یعنی دعوت میں عداوت نہیں دیکھی جاتی

لنگڑی لولی ہی سہی، مالِ غنیمت ہو بہت
عقل کے اندھوں سے صورت نہیں دیکھی جاتی

صُبح لیڈر جو چلے آتے ہیں ٹی وی پہ رحیم
آنکھ کھُلتے ہی نحوست نہیں دیکھی جاتی



نہ یہ حادثہ ہے نہ یہ خود کشی ہے
نہ لا کر جہیز ایک دُلہن جلی ہے

یہ دو رنگ میں جو مری شاعری ہے
کہیں اشکِ غم ہیں کہیں پر ہنسی ہے

غزل آپ نے کہہ کے جو مجھ کو دی ہے
اسی کی بدولت مری شاعری ہے

محل ہے مُذکّر تو شوہر کو کہیے
مونث ہے بیگم تو پھر جھونپڑی ہے

نہیں کھانے کو کچھ ہے بیچارہ مفلس
مگر نام اُس کا تو مسٹر غنی ہے

اُدھر سنسنی خیز ہے دھماکوں کی زد میں
اِدھر اور چکّر میں منداکنی ہے

رحیم آپ ہیں چاپلوسی میں ماہر
جدھر دیکھیے واہ واہ آپ کی ہے



سو جان سے فدا ہوں میں اُس ایک جان پر
جُوں رینگتی نہیں ہے مگر اُس کے کان پر

کرنا ہو طنز آپ ذرا سوچ کر کریں
پہرے لگے ہوئے ہیں ہماری زبان پر

پیچھا کسی کا کرتا ہُوا جب گیا وہاں
"آئیں قطار میں" یہ لکھا تھا مکان پر

آوارہ ہم نہ پھرتے شب و روز اس طرح
اے کاش دِل بھی مِلتا کسی کی دکان پر

صیّاد کا ہے ڈر تو کبھی گھونسلے کا خوف
اِس واسطے پرندے ہیں اونچی اُڑان پر

کٹنے سے کٹ نہ جائے یہی سوچتا ہوں میں
اپنی پتنگِ عشق ابھی ہے اُٹھان پر

جب سے بنا ہوں شاعرِ خوش فہم اے رحیم
رہتا ہوں میں زمیں پہ کبھی آسمان پر



آفت نہیں تو کیا ہے میاں یہ کسان پر
محصول کھاد سے بھی زیادہ ہے دھان پر

سردار جی پہ شک ہے کبھی ہے پٹھان پر
آتی ہے آنچ جب کبھی امن و امان پر

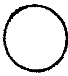
اردو کا مسئلہ ہو کہ مسجد کا مسئلہ
ڈھاتے ہیں ظلم و جور وہ ہر بے زبان پر

اس طرح اشک پونچھتے ہیں رہبرانِ قوم
پانی چھڑک رہے ہیں وہ جلتے مکان پر

کرکٹ کا شوق میں نے تو پالا ہے اس لیے
لیلیٰ مری فدا ہے جو عمران خان پر

بیرونی شاعروں پہ لٹاتے ہیں سیم و زر
اور ہم کو ٹالتے ہیں فقط چائے پان پر

شاگرد ہے رحیم جو تاباںؔ، عدیل کا
ہے اس لیے عبور زبان و بیان پر



اگر فساد پہ تقریر اُس نے کی ہو گی
وہی فساد کی جڑ بن کے رہ گئی ہو گی

زمانہ آئے گا اک دن ادب کی دُنیا میں
کہ چاپلوسی بھی اک شرطِ لازمی ہو گی

وہ شخص کہنے لگا کھا کے اک کثیر رقم
"وہ ایک موج تھی دریا میں بہہ گئی ہو گی"

بسایا شہر قُلی نے جو تھا بڑا شاعر
تو شاعروں کی یہاں کس طرح کمی ہو گی

لکھا کے اوروں سے جو شعر ٹھیک پڑھ نہ سکے
یہ شاعری نہیں، توہینِ شاعری ہو گی

سُنا کے شعر میں اُستاد کے یہ کہتا ہوں
غزل یہ میری گروجی سے لڑ گئی ہو گی

بڑے ہی چاؤ سے کہتے ہیں جس کو سب بھابی
رحیم ہو نہ ہو بیوی غریب کی ہو گی



نہیں ہے جیب میں اِک پائی میرے گھر کے لیے
مگر گلے میں تو ہے ٹائی کرّ و فر کے لیے

خوشی خوشی سے تُو شادی رچا لے بُوڑھے سے
کہ شیخ لایا ہے ویزا اترا قطر کے لیے

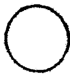
ہے عقد لڑکی کا لڑکی سے، کیا قیامت ہے
"نئے نئے ہیں مناظر یہاں نظر کے لیے"

یہ شاعری ہے مرے خُون میں شکر کی طرح
علاج کوئی نہیں ہے یہاں شکر کے لیے

نہ قتل و خُون نہ دنگا فساد شہر میں ہو
ترس رہا ہوں میں ایسی کسی خبر کے لیے

قوّال ماں کو ہے تحفہ تو باپ کو دستی
ہے میکسی ساس کو تو سوٹ ہے خُسر کے لیے

جو بوجھ میرا، مرے خاندان کا ڈھولے
میں ڈھونڈوں رحیم پریشان ایسے گھر کے لیے



ساتھ قارون کے میرے جو خزانے ہوں گے
مَیں چلوں گا تو مرے ساتھ زمانے ہوں گے

صرف وعدے ہی کیے جاؤ تم اے نیتاؤ!
دُور کے ڈھول ہیں بے شک وہ سُہانے ہوں گے

چاہے آندھی ہو کہ طُوفان اگر بزم سجے
ہم کو ہر حال میں اشعار سُنانے ہوں گے

نئی بوتل میں پُرانی ہی شرابیں ہوں گی
صرف انداز نئے شعر پُرانے ہوں گے

کیسے اِک نیام میں رہ پائیں گی دو تلواریں
اِک جگہ مسجد و مندر جو بنانے ہوں گے

جا تو رہتا ہوں میں جو روز ہی ایرہ گڑھ
جو بھی آئیں گے مرے ساتھ دِوانے ہوں گے

اس زمانے میں اگر چَین سے رہنا ہو رحیم
کچھ نہ کچھ بیٹریوں کے اُگانے ہوں گے



جو دل دُکھاتی ہو وہ دل لگی پسند نہیں
مجھے ہے طنز گوارا ہنسی پسند نہیں

مرا کلام ہے مقبول اس لیے کہ، مجھے
مزاح و طنز میں بے ہودگی پسند نہیں

ہو چاہے کیسی ہی مل جائے تو غنیمت ہے
جو ہاتھ آ نہ سکے وہ پری پسند نہیں

اسی لیے ہوں میں معتوب اُن کی محفل میں
مجھے کسی کی بھی چمچہ گری پسند نہیں

تناؤ بڑھتا ہے اس سے تو کم نہیں ہوتا
ہر ایک بات میں یہ برہمی پسند نہیں

محل میں اس لیے کہتا ہوں اپنی بیگم کو
یہاں غریب کو بھی جھونپڑی پسند نہیں

رحیم آپ اُگاتے نہیں کوئی سورج
ہمیں تو آپ کی یہ شاعری پسند نہیں



یہ سچ ہے جاہلِ مطلق ہوں نام فاضل ہے
یہ راز کیسے مَیں کھولوں عجیب مشکل ہے

اگرچہ کہنے کو سینے میں میرے اِک دل ہے
اسی میں ماہ جبینوں کی پوری محفل ہے

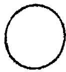
دراصل ہم تو ہیں فرہاد و قیس کے پیرو
"رہِ طلب میں کسے آرزوئے منزل ہے"

سیاہ فام ہے بیگم قمر ہے نام اس کا
خدا کی شان کہ توے میں ماہِ کامل ہے

سکھا کے شاعری میدان میں جسے لایا
وہ چیلہ ٹھونک کے خم اب مرے مقابل ہے

ہے اسّی سال کا شیخ اور ہے جواں دلہن
کسی طرح سے جو قابل نہیں مقابل ہے

رحیم قتل بھی ہو کر ہے موردِ الزام
اُدھر دھڑلے سے آزاد ہے جو قاتل ہے



اِس معرکے کو خاص سلیقے سے سر کریں
والد سے بھی زیادہ لحاظِ خُسر کریں

ہو جائے عشق کا نہ دھماکہ کہیں کوئی
دل میرا ایک بم ہے اسے بے اثر کریں

قبضہ کیا ہے اُس نے مرے گھر پہ ٹھاٹ سے
مَیں نے کہا تھا آ کے مرے دِل میں گھر کریں

ہو گا قدم قدم پہ ٹریفک کا مسئلہ
کاندھے پہ میرے بیٹھ کے گردہ سفر کریں

مارا ہُوا ہوں مَیں اُسی ترچھی نگاہ کا
ترچھی سہی دوبارہ بھی مجھ پہ نظر کریں

مَیں ہوں مریضِ عشق رہے نرس رُوبرو
اِس طرح سے علاج مِرا چارہ گر کریں

حد ہو چکی ہے ضبط کی کہہ دو رحیم سے
محفل پہ رحم کھائیں غزل مختصر کریں



اُنھیں مذاق ہی لگتا ہے میرا رونا بھی
ستم ظریفی ہے بے شک ظریف ہونا بھی

ادب ہے شاعری میری ہے وہ کھلونا بھی
اسی کو پڑھ کے ہے ہنسنا بھی اور رونا بھی

رہا نہ یاد تمھیں شاعری میں سونا بھی
ہوی ہے رات بہت اب تو گھر چلو نا بھی

ہمارے باپ کی جاگیر ہے یہ شعر و ادب
ہے اوڑھنا بھی یہی اور یہی بچھونا بھی

ہم ایسے ہو گئے مانوس بدنصیبی سے
کہ ہم پہ چل نہیں سکتا ہے جادو ٹونا بھی

وہی تو کھٹّے ہیں انگور جو نہ ہاتھ آئیں
ہمارے حق میں ہے پیتل کی طرح سونا بھی

وہ مسندوں پہ صدارت کی بیٹھتا ہے رحیم
جسے نصیب نہیں گھر میں اک بچھونا بھی



بات بیگم کی نہ ٹالی جائے گی
سانس سے اس کی نکالی جائے گی

یہ تو لگتی ہے کوئی مغضب نہ
گھر میں یہ آندھی نہ پالی جائے گی

"کرکے توبہ" کی ہے توبہ سے ہے ٹھیک
آج توبہ توڑ ڈالی جائے گی

کیا پتہ تھا پیش رو استاد کو
پگڑی اُن کی بھی اُچھالی جائے گی

دَور ایسا آگیا آرام کا
دال کُوکر میں گلائی جائے گی

گر ترقی کا یہی عالم رہا
پھر تو پانی سے ہوا لی جائے گی

مرد کی کھیتی ہے یہ داڑھی رحیم
جب بھی جی چاہا اُگالی جائے گی



خیرات کا بھی جب کوئی ساغر اُٹھا لیا
میخانہ سارا آپ نے سر پر اُٹھا لیا

اِک قطرہ خون جب نہ بچا میرے جسم میں
کھٹمل نے اپنا بوریہ بستر اُٹھا لیا

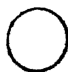
دھوکا دیا ہے مَیں نے بھی اندھے فقیر کو
کاغذ تھا کے ہاتھ سے جلد اُٹھا لیا

چشمہ لگا تھا آنکھوں پہ غربت کا اِس لیے
کاغذ کو مَیں نے نوٹ سمجھ کر اُٹھا لیا

اللہ کے گھر کا مال بھی ہے اپنے گھر کا مال
مسجد سے مَیں نے اِس لیے کولر اُٹھا لیا

صیّاد نے ٹٹولا کسی گھونسلے کو پھر
مادہ کو اُس نے چھوڑ دیا نر اُٹھا لیا

کیوں جل کے خاک ہم نہیں ہوتے بھلا رحیم
سُورج کو ہم نے چاند سمجھ کر اُٹھا لیا



ایسی ویسی ہوں تو محفل کے حوالے کر دو
اچھی غزلوں کو رسائل کے حوالے کر دو

کوئی تنقید کرے گا نہ مرے شعروں پہ
میرے دیوان کو جاہل کے حوالے کر دو

مسئلہ جلد ہی ہو جائے گا حل اُردو کا
اپنی اُردو کو بھی ٹامل کے حوالے کر دو

شعر میں فن ہی رہے گا نہیں آئے گا خیال
یوں نہ مفعول کے فاعل کے حوالے کر دو

گر، ڈھنگ سے چلانی ہے حکومت تم کو
قوم کو سارے مسائل کے حوالے کر دو

تیز طرار ہے بیٹی جو تمہاری مسٹر
ڈھونڈ کر تم کسی غافل کے حوالے کر دو

بھوت تم پہ کسی شاعرِ مرحوم کا ہو
اے رحیم اپنے کو عامل کے حوالے کر دو



مَیں نہیں کہتا کبھی جی کا زیاں ہے زندگی
جبکہ وقفِ حُسن ہے، نذرِ بُتاں ہے زندگی

جسم میں نفرت کا لاوا بہہ رہا ہے اس طرح
ایسا لگتا ہے کہ اِک آتش فشاں ہے زندگی

ہے لبوں پر شیخ کے "یاھُو" دکھانے کے لیے
ورنہ اندر سے تو وقفِ مہ وشاں ہے زندگی

اب قصیدے پڑھ کے اپنا نام روشن کیجیے
مرثیے پڑھنے کے باعث نیم جاں ہے زندگی

ہُوٹ ہوتی ہے کبھی تو داد پاتی ہے کبھی
شاعری کی طرح سے اِک امتحاں ہے زندگی

آج کل خوددار کی وقعت نہیں کوئی یہاں
چاپلوسی کیجیے تو کامراں ہے زندگی

ویسے ہے شاعر مزاح و طنز کا بے شک رحیم
شومئی قسمت کہ اس کی نوحہ خواں ہے زندگی



مجھ کو کہاں اے دوست غمِ روزگار ہے
شکرِ خدا مُرید مِرا مالدار ہے

کرتا ہوں روز اِک نئی محفل کا انعقاد
شہرت کا بھوت سر پہ جو میرے سوار ہے

اعلان ہے کہ جو بھی بنائے گا مجھ کو صدر
ہر وقت اُس کے واسطے حاضر یہ کار ہے

ایم۔ اے ہوں میں یہ ڈگری ہے "میریڈ اگین" کی
مضبوط اس طرح مِرا عزّ و وقار ہے

مِلّت کی آبرو کو مِلاتا ہے خاک میں
لیڈر ہمارا کتنا بڑا خاکسار ہے

ہر مصرعہ چار بار سُناتے ہیں وہ رحیم
ہر شعر جن کا اہلِ سماعت پہ بار ہے

یہ کہہ کے مضحکہ نہ اُڑاؤ رحیم کا
"ہندوستاں کا تو بھی دلاور فگار ہے"



لیڈری نام ہے مکاری کا عیاری کا
مَیں نے بھی سیکھ لیا فن یہ اداکاری کا

رہزنی سیکھ لیں ان قوم کے سالاروں سے
شوق ہو آپ کو گر قافلہ سالاری کا

کوئی سچ بات اگر کہہ دے حکومت کے خلاف
اس پہ الزام لگا دیتے ہیں غداری کا

کاٹ کر چوری سے اشجار بکا دیتا ہوں
تمغہ لے رکھا ہے مَیں نے جو شجر کاری کا

کان میں مرچ، گلے میں ہے پودینہ یارو
بھاؤ سونے کے برابر ہے جو ترکاری کا

شیر بازار کی گڑبڑ تو دھماکوں کا چلن
واقعہ بھولے ہیں توپوں کی خریداری کا

آج پی۔ ایم بھی ملوث ہے جو رشوت میں رحیم
اب اثر دیکھنا ہو گا ہمیں چنگاری کا



ہے جو معصوم اُسے آج سزا دی جائے
حق و انصاف کی دیوار گرا دی جائے

سُننے والوں کو بھگانا ہو اگر محفل سے
اک غزل بھونڈے ترنّم سے سُنا دی جائے

فلم بینی کے لیے شرط نہیں نسلوں کی
ساتھ پھر کس لیے پوتی کے نہ دادی جائے

دوڑ مُلّا کی ہے محدود فقط مسجد تک
اِس سے بڑھ کر نہ اُسے اور سزا دی جائے

اس جگہ بیج وہ بوئے گا فسادوں کے ضرور
جس جگہ اوڑھ کے نیتا کوئی کھادی جائے

اچھے شاعر کو پہنچنے نہیں دے گا وہ وہاں
جس جگہ آپ کا شاعروہ نما دی جائے

پھر بُرائی نہ کرے گا وہ کبھی مے کی رحیم
راہ میخانے کی واعظ کو دکھا دی جائے



آپ کہتے ہیں کنوارا تو گوارا ہے مجھے
قول جھوٹا ہے مگر جان سے پیارا ہے مجھے

باتیں سُننے کو جو ملتی ہیں بہت میٹھی ہیں
اور میسّر جو ہے کھانے کو وہ کھارا ہے مجھے

اے میاں کون ہو تم کس نے دی دعوت تم کو
کتنے اخلاص سے ظالم نے پکارا ہے مجھے

اپنی زُلفوں میں سجایا ہے جو اک پھُول اُس نے
رات کو باغ میں ملنے کا اشارا ہے مجھے

اپنے فیشن کی بہا کرتی ہے اُلٹی گنگا
اُن کو پتلون میسّر تو غرارا ہے مجھے

مَرد و زَن دونوں ہی صورت کو تکا کرتے ہیں
میرے گھر والوں نے اِس طرح سنوارا ہے مجھے

ہے فلک میرے لیے ریس کا میدان رحیم
ریس کا گھوڑا بھی دُم دار ستارا ہے مجھے



اولاد ہوئی تیز جو ٹی وی کے اثر سے
دبتا ہوا ملتا ہے پدر اپنے پسر سے

اب مادہ کبوتر کو میں بھیجوں گا ترے گھر
خط لانے کی اُمید نہیں ہے مجھے نر سے

میں اُن کو صدارت پہ بٹھانے کا ہوں قائل
جو آتے ہیں کویت سے، جدّہ سے قطر سے

یہ خول اُتارنا ٹھیک نہیں ہے مرے ہمدم
باہر بھی نکل آئیے مخدوش کھنڈر سے

ریموٹ دھماکوں کا زمانہ ہے یہ صیّاد
اب ڈر ہی نشیمن کو نہیں برق و شرر سے

میں عشق کا اندھا ہوں اسی واسطے چپ ہوں
شرمندہ شبِ تار بھی ہے ان کے کلر سے

کس طرح سے لے جاؤں رحیم اپنے گھر اس کو
چوڑا نہیں دروازہ مرا اس کی کمر سے



راؤ جی کے پانچ سالہ دور کا انعام ہے
جس طرف بھی دیکھیے اسکام ہی اسکام ہے

ہیں منسٹر جیل میں کیا گردشِ ایام ہے
جس جگہ شہنائیاں تھیں اس جگہ کہرام ہے

کیا زمانہ ہے ضمانت تک نہیں ہوتی قبول
اب سُنا ہے جیل میں آرام ہی آرام ہے

دیکھتے جاؤ ہُوا ہے دیش کتنا کھوکھلا
یہ حوالہ کیس تو چھوٹا سا اِک اِلزام ہے

ڈائری جو جین کی تھی، کھول دی ہر اک کا پول
جو کبھی تھا نامور، وہ آج کل بدنام ہے

دیکھنے کے واسطے گاندھی کا چیلہ ہے مگر
جھانک کر اندر سے دیکھو تو وہ ناتھورام ہے

ہم حوالے کے حوالے سے یہ کہتے ہیں رحیم
سارے ننگے ایک جا ہوں گے یہ وہ حمام ہے

لعنت جہیز کی

دل سے نکالو دوستو اُلفت جہیز کی
کرنی ہے دُور ہم کو یہ لعنت جہیز کی

دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے سماج کو
جب سے کہ چل پڑی ہے روایت جہیز کی

نیندیں حرام فکر سے ماں باپ کی ہوئیں
اک مستقل عذاب ہے آفت جہیز کی

اپنی بہن کو بھی تو اُٹھانا ہے کل کے دن
تم کو بھی کل اُٹھانی ہے زحمت جہیز کی

جلنے لگی ہیں آگ میں اب دُلہنیں جناب
ایسا عذاب بن گئی علت جہیز کی

شوہر پہ ایسے بھیجیے لعنت ہزار بار
بیوی سے بڑھ کے ہے جسے حسرت جہیز کی

لائی تھی اپنے ساتھ جو اِک نازنیں رحیم
اب تک چکا رہا ہوں میں قیمت جہیز کی



ہائے نیتاؤں نے کب ہوش سنبھالا یارو
پھٹ پڑا جب کہ حوالے کا جوالا یارو

ہوش نیتا کے اُڑاتا ہے حوالہ یارو
سامنے آیا ہے ہر ایک گھوٹالہ یارو

سب کا دعویٰ تھا یہاں روشنی لانے کا مگر
دل نظر آتا ہے ہر ایک کا کالا یارو

کھا لیا تھا جو بڑے شوق سے لی تھی نہ ڈکار
مُنہ سے اب اُن کے نکل آیا نوالہ یارو

دے کے استعفٰی سمجھتے ہیں بڑا کام کیا
حُسنِ کردار کا مُنہ کر دیا کالا یارو

ہاتھ میں آئے اگر ان کے نظامِ شمسی
بیچ کھائیں گے یہ سورج کا اُجالا یارو

سب مزے لے کے اُڑاتے ہیں حکومت کا مذاق
مِل گیا سب کے لیے مرچ مسالا یارو



جن سے بدنام مرا دیس ہوا جاتا ہے
ایسے لوگوں کا کرو "دیش نکالا" یارو

پارسائی کی جو تقریریں کیا کرتے تھے
پڑ گیا اُن کے بھی اب ہونٹوں پہ تالا یارو

شرم آتی ہے ہمیں دیکھ کے کرتوت ان کے
کیسے لوگوں سے پڑا تھا ہمیں پالا یارو

بن کے سادھو جو پھرا کرتا تھا اعزاز کے ساتھ
وہ حقیقت میں تھا شیطان کا سالا یارو

جیبیں بھرتے رہے لیکن یہ کہاں سوچا تھا
چین لُوٹے گا یہی جین حوالہ یارو

ہیں جو نیتاؤں کو سونے کے نوالے حاضر
ہم غریبوں کو کہاں ایک نوالہ یارو

ڈائری جین کی ہے کتنی اہم مت پُوچھو
اے رحیم اس پہ لکھو تم بھی مقالہ یارو



نہ مال و زر کا ہے طالب نہ مرتبہ چاہے
جو شعر کہتا ہے وہ صرف واہ وا چاہے

کسی بھی دشمنِ اُردو کو کوستے کیوں ہو
"خود انقلاب بپا ہو اگر خدا چاہے"

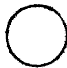
غزل غزل ہے مضامین جس میں ہوتے ہیں
ردیف اگرچہ کہ اچھا سا قافیہ چاہے

امیر کے لیے جینے کی ہیں کئی شرطیں
غریب آب و ہوا اور کچھ غذا چاہے

بنی ہے حشر کا میدان آج کی دُنیا
ہر ایک شخص فقط اپنا ہی بھلا چاہے

چلے گا کام اگر نرس ہو حسین و جوان
مرض ہمارا فقط ایک ہی دوا چاہے

ہو عقد اُس کا کسی لکھ پتی کی بیٹی سے
رحیم اس کے سوا اندھا اور کیا چاہے



کہیے کہ دواؤں میں اثر ہے کہ نہیں ہے
اِس عمر میں سیدھی یہ کمر ہے کہ نہیں ہے

قابض ہے وہ سُسرال کے سُسرال پہ اب تک
داماد سے آگے وہ خُسر ہے کہ نہیں ہے

بانی ہی مرے شہر کا عاشق تھا تو کہیے
یہ شہر مرا پریم نگر ہے کہ نہیں ہے

سُرخ آب میں پی کر اُڑا کرتا ہوں خلا میں
سَر میں مرے سُرخاب کا پَر ہے کہ نہیں ہے

ہوٹنگ ہے کہیں تو کہیں ملتی ہے مجھے داد
کہیے مرے شعروں میں اثر ہے کہ نہیں ہے

کھنچ کر چلا آتا ہے مرے سامنے دِلبر
آہوں میں رحیم اپنی اثر ہے کہ نہیں ہے



انتخابات ہیں تیار، خدا خیر کرے
پھر قیامت کے ہیں آثار، خدا خیر کرے

ہلنا منزل کا ہے دشوار، خدا خیر کرے
رہنماؤں کی ہے بھرمار، خدا خیر کرے

دیش میں کیوں نہ جرائم میں اضافہ ہوگا
رہنما خود ہیں خطا وار، خدا خیر کرے

ہائے کیا ہوگا الیکشن کا خدا ہی جانے
سر پہ لٹکی ہے یہ تلوار خدا خیر کرے

اشک اپنے وہ بہاتے ہیں مگرمچھ کی طرح
رہنما اپنے ہیں مکار خدا خیر کرے

جس کے سائے میں کھڑی آج رعایا یہ غریب
وہ تو بوسیدہ ہے دیوار خدا خیر کرے

سب کی نظریں ہیں فقط اپنے ہی جیبوں پہ رحیم
کوئی اپنا نہیں غم خوار، خدا خیر کرے



وہ بھلائی کرے یا برائی کرے
کام ناقد کا ہے بس پٹائی کرے

رہزنی ایسے نیتاؤں کی ہو گئی
جس طرح سے کوئی رہنمائی کرے

نام ڈاکو کا کیوں آج بدنام ہے
کام یہ تو ہر اک گھر جنوائی کرے

شاعری ہے ادب، سن لے او بے ادب
یوں سڑک پر نہ تو ہاتھا پائی کرے

آج ہوٹل میں شاعر سنا کر غزل
اک گویے کی بھی پا بجائی کرے

سن کے میری غزل چپ ہے وہ اس طرح
انتقامی کوئی کارروائی کرے

اس میں پوشیدہ ہے عافیت اے رحیم
"آدمی سوچ کر لب کشائی کرے"



خاص خبروں کو چھپاتا ہے ہمارا ٹی وی
انٹرٹیشن ہی بتاتا ہے ہمارا ٹی وی

لوریاں دے کے سُلاتا ہے ہمارا ٹی وی
اور پھر صُبح جگاتا ہے ہمارا ٹی وی

اُن سے وعدہ ہے مگر وقت جو بارہ کا ہے
عشق میں ٹانگ اڑاتا ہے ہمارا ٹی وی

فلم ہم دیر گئے دیکھ کے کب سوئیں گے
رات بھر ہم کو جگاتا ہے ہمارا ٹی وی

قتل اور خُون کی تشہیر کیے جاتا ہے
خبریں تھوڑی ہی دکھاتا ہے ہمارا ٹی وی

اپنی شہرت میں اضافہ ہے اسی کے دَم سے
شان اپنی بھی بڑھاتا ہے ہمارا ٹی وی

اُن کی نظریں ہیں فقط اُس پہ مگر ہم پہ نہیں
دل کو ہر وقت جلاتا ہے ہمارا ٹی وی

ہر کوئی آنے کو بے چین ہے ٹی وی پہ مگر
کب کہاں سب کو بلاتا ہے ہمارا ٹی وی

اُس پہ تنقید کی بارش ہی ہوا کرتی ہے
دشمنوں کو کہاں بھاتا ہے ہمارا ٹی وی

اشتہارات سے ہے بیوی کی ہر فرمائش
ہم کو ہر وقت لڑاتا ہے ہمارا ٹی وی

بجلی رہتی ہی نہیں اپنے گھروں میں اکثر
ہم کو رہ رہ کے ستاتا ہے ہمارا ٹی وی

اب تو کرکٹ کا زمانہ ہے خدا خیر کرے
اپنے بچوں ہی چھڑاتا ہے ہمارا ٹی وی

دُور درشن کی عنایت سے یہ شہرت اپنی
اے رحیم آپ کی گاتا ہے ہمارا ٹی وی



وہ قید کرتا بھی ہے اور چھڑا بھی دیتا ہے
کہ مجرموں کو یہ LAW کے آسرا بھی دیتا ہے

چراغِ خانہ کو رکھنا بڑی حفاظت سے
یہ روشنی ہی نہیں گھر جلا بھی دیتا ہے

مری غزل مرا شاگرد کس وقار کے ساتھ
نہ صرف پڑھتا ہے بلکہ چھپا بھی دیتا ہے

شجر یہ لگتا ہے جیسے غریب کا سُسرال
یہ پھول پھل ہی نہیں آسرا بھی دیتا ہے

خدا رکھے مرے استاد کو مرے سر پر
غزل کے ساتھ مجھے وہ دُعا بھی دیتا ہے

ہمارے دَور کا لیڈر ہے اِک بڑا فنکار
وہ گھپلے کرتا ہے دَرسِ اَنا بھی دیتا ہے

رحیم صرف ہنساتا نہیں ہے شعروں سے
دِلوں پہ طنز کے نشتر چلا بھی دیتا ہے



نام اپنا ہے کہاں دیکھ لیا کرتے ہیں
ہم فقط اس لیے اخبار پڑھا کرتے ہیں

ساتھ فوٹو کے جو اشعار چھپا کرتے ہیں
اپنے اللہ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں

ہم لہک کر جو کبھی شعر پڑھا کرتے ہیں
اچھے اچھوں کے بھی اوسان خطا کرتے ہیں

کیا پڑی غیروں کو شہرت سے جلے جو اپنی
اپنی شہرت سے تو احباب جلا کرتے ہیں

گُدگُدا جاتی ہیں احساس کو میری باتیں
لوگ سُن کر مرے اشعار ہنسا کرتے ہیں

جاکے ایران میں ہوٹل میں سُناتے ہیں غزل
اب تو فنکار بھی پیسوں میں بکا کرتے ہیں

اپنی تعریف تو خود اپنے کو کرنی ہے رحیم
کم نظر لوگ ہی تنقید کیا کرتے ہیں



بد اصل بد قماش نہ تھے، بے حیا نہ تھے
ایسے خبیث اپنے کبھی رہنما نہ تھے

شہرت کا شوق باعثِ ذوقِ سخن ہوا
ہم شعر و شاعری پہ کبھی بھی فدا نہ تھے

کہتے ہیں میرے بارے میں اکثر شریف لوگ
ذاتِ شریف پہلے تو یوں پارسا نہ تھے

فرشی سلام مار کے ایواں میں گھس گئے
شاعر ہمارے شہر کے یوں بے انا نہ تھے

کیچڑ اُچھالتے ہیں جو اس کے رقیب اب
کیا وہ رفیقِ شاعرِ جامِ انا نہ تھے

ٹی وی کی تربیت نے کیا ہے نڈر ہمیں
بچے ہمارے ایسے کبھی بے حیا نہ تھے

اب دشمنوں نے ہم کو کیا مشتعل رحیم
ہم تلخیٔ کلام پہ مائل ذرا نہ تھے



دیا سلائی کی مانند گھس گھسا کے مجھے
"تمام شہر جلاؤ گے کیا جلا کے مجھے"

رکھا ہے میرے محل نے ستا ستا کے مجھے
سکون ملتا ہے ان محفلوں میں آ کے مجھے

میں امتحانِ وفا میں ضعیف ہو جاؤں
تو کیا کرو گے مری جان آزما کے مجھے

ہے سارے دیش کی دولت تمہارے کھاتوں میں
دکھاؤ نقشے نہ اس طرح اب ریا کے مجھے

میں اچھا خاصا تھا مجھ کو مریض کر ڈالا
چلا گیا ہے وہ میری غزل سنا کے مجھے

میں جس طرح سے یہ پیسے چھپا کے دیتا ہوں
اسی طرح سے غزل دیجیے چھپا کے مجھے

رحیمؔ خواب میں ان کے میں ایسے جاؤں گا
وہ جاگتے ہی پکاریں گے ہڑبڑا کے مجھے



کب کس کے گھر میں آئے خسر یہ خبر نہیں
"آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں"

جنّت ہے مجرموں کی ہمارا وطن، یہاں
انصاف کا خطر نہیں، منصف کا ڈر نہیں

پٹّہ کمر کا کیوں نہ گلے میں ہی ڈال دوں
معشوق وہ ملا ہے کہ جس کی کمر نہیں

زلفیں کٹی ہوئی ہیں تو بازو ہیں بے لباس
چڑیا وہ ایسی ہے کہ جسے بال و پر نہیں

مجھ کو بنا کے "صدر" بُلا کر تو دیکھیے
چاہے مشاعرہ ہو جہنم میں ڈر نہیں

کہتے ہیں لوگ عشق کو اندھا اسی لیے
دنیائے عشق میں کوئی صاحب نظر نہیں

داماد ہوں تو گھر کا میں دادا بھی ہوں حکیم
مجھ سے نظر ملائے مجالِ خسر نہیں



اِک نرس کیا مِلی کہ دواخانہ مِل گیا
بیڈ رُوم مجھ کو مُفت مِلا، کھانا مِل گیا

بَن کر مریض یُونہی رہو تم تمام عُمر!
اُس کا یہ مشورہ بھی رفیقانہ مِل گیا

اُردو کے مدرسہ میں مِلی ہے جو نوکری
ایسا لگا مجھے کوئی دیرانہ مِل گیا

بیٹی جو بوڑھے شیخ کو دیدی تو کیا ہوا
بنگلہ خُسر کو سالے کو دھنگانہ مِل گیا

فیشن کچھ ایسا چل گیا رنگیں لباس کا
لہرا کے تود زنانے سے مردانہ مِل گیا

پروانے کو دکھا کے مجھے ہنس رہے ہیں وہ
اِس طرح اُن سے عشق کا پروانہ مِل گیا

کیا کیا نہیں مِلے بُت مِلتا ز دوستو
دفتر کے نام پر مجھے بُت خانہ مِل گیا

اب پھر کبھی کسی کے نہ بننا میاں رحیم
بیگم کا مشورہ بھی رفیقانہ مِل گیا



میرے اُن کے اَٹوٹ بندھن ہیں
مَیں ہوں خُشکہ وہ میری کُھرچن ہیں

چل رہی ہے زبان قینچی سی
آپ معشوق ہیں یا سَاجن ہیں

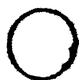
ایک مصرعہ بھی لکھ نہیں سکتے
اب بہت اپنے ماہرِ فن ہیں

رنگ کالا ہے اور منی اسکرٹ
وہ تلنگانہ کی فرنگن ہیں

زر، زمیں، زن فساد کی جڑ ہیں
سارے ہنگامے اُن کے کارن ہیں

میری نظریں ہیں اُن کے ہاتھوں تک
اُن سے بہتر تو اُن کے کنگن ہیں

جب سے شہرت ہوئی نصیب ہمیں
دوست کم اور زیادہ دشمن ہیں



بکرا بنا کے یوں مجھے مسلخ میں لا نہ دے
شادی کے نام سے کوئی مجھ کو دغا نہ دے

شعلہ بدن کو لایا ہے نٹ ہاتھ سے جو تُو
"اِک دن یہ آگ تیرے ہی گھر کو جلا نہ دے"

کنگا رہے نہ ہاتھ میں گنجے کے میرے یار
اندھے کے ہاتھ میں تو کبھی آئینہ نہ دے

ورنہ وہ تیری راہ میں پتھر بچھائے گا
بھولے سے اُن کے در کا اُسے تُو پتہ نہ دے

پنچل گوڑہ کے نام سے ڈرتا ہے میرا دل
مجھ کو تُو کوئے یار کی آب و ہوا نہ دے

کوئی سنائے میری غزل، میرے رُوبرُو
ایسی سزا کبھی بھی مجھے میرے خدا نہ دے

وقت اخیر بھی ہے ظرافت رحیم کی
سُن کر فرشتہ موت کا بھی مسکرا نہ دے



کسی عزّت نہ کسی آن سے وابستہ ہے
میرا معدہ تو فقط نان سے وابستہ ہے

دِل ہمارا اُسی بی جان سے وابستہ ہے
جو محلّے کے پہلوان سے وابستہ ہے

اب لپ اسٹک ہے میسّر تو جگالی کیوں ہو
اب کہاں سُرخیٔ لب پان سے وابستہ ہے

کچھ بنا سکتا نہیں مُلک ہمارا تنہا
جو ترقی بھی ہے جاپان سے وابستہ ہے

ساتھ بیگم کے مجھے دیکھ کے کہتے ہیں سبھی
یہ دیا وہ ہے جو طوفان سے وابستہ ہے

میزباں بن گیا آیا تھا جو مہماں بن کر
میرا گھر اب اسی مہمان سے وابستہ ہے

میری وابستگی استاد سے اتنی ہے رحیم
ہر غزل اُن کے ہی دیوان سے وابستہ ہے



عقد اک قیدِ مسلسل ہے سمجھتا کیا ہے
ایک زنجیر ہے قیدی کی یہ سہرا کیا ہے

"زہر پی لوں گا ترے ہاتھ سے صہبا کیا ہے"
میں بھی اس دور کا سقراط ہوں سمجھا کیا ہے

سر کے سودے کا کیا ذکر تو پوچھا اُس نے
کونسی منڈی میں ملتا ہے یہ سودا کیا ہے

چاہتا ہے کہ میں کاندھے پہ بٹھا لوں اس کو
دیکھتے ہی مجھے اس کا یہ لنگڑانا کیا ہے

ایک سگریٹ کی ڈبّی کے عوض دو غزلیں
سودا ایسا ہو تو خود سوچیے مہنگا کیا ہے

داد آتی مرے مجہول سے شعروں پر بھی
یہ بتائیں تو ذرا آپ کا منشا کیا ہے

مجھ سے شہرت کا پجاری یہی کہتا ہے رحیمؔ
کام سے کام رکھو نام میں رکھا کیا ہے



چہرہ داڑھی کے سوا ہو مجھے منظور نہیں
شیخ اور بال صفا ہو مجھے منظور نہیں

میں تو بھونرا ہوں ہر اک پھول پہ منڈلاؤں گا
دل فقط تم پہ فدا ہو مجھے منظور نہیں

روٹھنے اور ستانے میں مزا آتا ہے
حسن راضی بہ رضا ہو مجھے منظور نہیں

صرف اک مجھ کو کہے شاعر اعظم دنیا
کوئی بھی مجھ سے بڑا ہو مجھے منظور نہیں

لوگ کہتے ہیں تو کہنے دو بلاؤ مجھ کو
مرغ دستر پہ بچا ہو مجھے منظور نہیں

میں مذکر ہوں مرا کیا ہے مونث تم ہو
تم کسی اور کو چاہو مجھے منظور نہیں

عشق کرنا ہے مجھے کرتا رہوں گا میں رحیم
تم سے شادی کی سزا ہو مجھے منظور نہیں



ہُوا عاشقی میں کیسا مری عمر کا خسارہ
وہ تو بن گئی ہیں دادی میں ہوں آج بھی کنوارا

ہے غذا مویشیوں کی بنے لیڈروں کا چارہ
اِسی واسطے بجٹ میں ہے مسلسل اب خسارہ

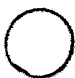
اسی شاعری میں میں نے کئی چوتے چھکے مارے
سبھی لوگ کہہ رہے ہیں مجھے شاعری کا لارا

مجھے شک ہے شعر میرا نہ ہو بحر سے ہی خارج
کہ پڑھایا جا رہا ہے اسے کس لیے دوبارہ

نہوں شعر میرے جن میں تو وہ کس شمار میں ہے
وہ کوئی بھی ہو رسالہ وہ کوئی بھی ہو شمارہ

تمہیں کیا نہیں میسر ہے پڑوس کی بھی مرغی
نہ کھلاؤ گھر بلا کر مجھے دال چنا بگھارا

جو چبائے ہونٹ اپنے تو رحیم کی خطا کیا
کوئی گھانس ہی نہ ڈالے تو کرے گا کیا بچارا



اندھا ہے یہ ساون کا بجا بول رہا ہے
ہر رنگ کو بیچارہ ہرا بول رہا ہے

میخانہ کا سناٹا یہ کیا بول رہا ہے
گویا ہے صراحی نہ گھڑا بول رہا ہے

شاعر ہے وہ جدت کا بجا بول رہا ہے
وہ رعب سے آندھی کو صبا بول رہا ہے

الو کی طرح بیٹھ کے میں سنتا ہوں سب کچھ
طوطا مری قسمت کا لکھا بول رہا ہے

آگے مرے ٹک سکتا نہیں اب کوئی شاعر
یہ میں نہیں شہرت کا نشہ بول رہا ہے

آئینہ نہیں سامنے اس کے کوئی شاید
کم قد ہے مگر بول بڑا بول رہا ہے

داماد تو داماد ہے بیٹا نہیں بنتا
یہ تجربہ برسوں کا مرا بول رہا ہے

توہین رحیم اس سے زیادہ تری کیا ہو
ہر شخص تجھے شادی شدہ بول رہا ہے



گھپلے گھوٹالے اور مشاغل نئے نئے
مقتل پہ آنا اور ہیں قاتل نئے نئے

ہم ایک دل کی چاہ میں مٹی میں مل گئے
مٹی کے پیکروں کو ملے دل نئے نئے

ٹی وی کے اشتہاروں کا ایسا اثر ہوا
آنے لگے ہیں گھر پہ مرے بل نئے نئے

پہلے حسیں بلا نے مرا دل چرا لیا
اب جیب کاٹنے لگے جاہل نئے نئے

پنچھی پرانے جال اڑا لے گئے تو کیا
صیاد پھانس لے گا عنادل نئے نئے

اس واسطے میں جاتا نہیں ان کے روبرو
رکھتے ہیں میرے آگے مسائل نئے نئے

بکواس اپنی تم بھی چھپالو رحیم جی
اب تو نکل رہے ہیں رسائل نئے نئے



رونا تو ہر اک شخص کی قسمت میں لکھا ہے
ہنستا ہوں، ہنساتا ہوں، کلیجہ یہ مرا ہے

ورثہ میں ملی شاعری ہے شومیٔ قسمت
یاروں سے شکایت ہے نہ اپنوں سے گلہ ہے

یوں ہی نہیں بجتے ہیں مرے نام کے ڈنکے
دن رات کی یہ جہدِ مسلسل کا صلہ ہے

اِک شعر سلیقے سے بھی کہنا نہیں آتا
خوش فہمی میں رہتا ہے کہ شاعر وہ بڑا ہے

ممکن ہی نہیں بچنا کبھی دام سے اس کے
معشوق مرا، میں نے سُنا ہے کہ بلا ہے

عینک تو لگا دیکھ لے تو ڈائری اپنی!
شاید کسی کونے میں مرا نام لکھا ہے

لیتے ہیں رحیم آپ کا سب نام ادب سے
ہے نام بڑا ملک میں کٹھل سا کڑا ہے



چین دن کا نیند راتوں کی تڑی ہونے لگی
اک وبالِ جان میری شاعری ہونے لگی

عام میرے شہر میں یوں شاعری ہونے لگی
جو غزل میں نے سنائی وہ تڑی ہونے لگی

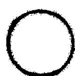
مجھ کو انکل کہہ رہی ہیں شہر کی سب لڑکیاں
بے مزہ اس طرح میری زندگی ہونے لگی

کوہکن کا اب نہ تیشہ ہے نہ مجنوں کا جنوں
اُس نے دیکھا ہم نے دیکھا عاشقی ہونے لگی

ہے مرض شکر کا مجھ کو شوئی قسمت کہ اب
عمر میری رفتہ رفتہ گھٹتی ہونے لگی

دفعتاً آیا ہے مجھ کو میری بیگم کا خیال
موسم گرما ہے لیکن کپکپی ہونے لگی

یک بیک اترا گئے اپنی خوش گلوئی پر رحیم
رفتہ رفتہ بانسری یہ بے سری ہونے لگی



کس سلیقے سے وہ چوپٹ مجھے کر دیتا ہے
"جام خالی نہیں ہوتا ہے کہ بھر دیتا ہے"

جھولیاں وعدوں سے بھر دیتا ہے لیڈر لیکن
ہم کو دھوکہ بھی وہی شام و سحر دیتا ہے

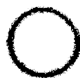
میں شکر گنج میں رہتا ہوں مگر اس سے نہیں
میرا مالک مجھے بن مانگے شکر دیتا ہے

اس کی محفل میں چلا جاتا ہوں پابندی سے
جو سلیقے سے مجھے خرچ سفر دیتا ہے

قید کرتا ہے معیشت کو بجٹ اپنا مگر
وہ گرانی کو تو پرواز کے پر دیتا ہے

بات کو میری اڑا دیتا ہے ظالم لیکن
جب کلر دیتا ہے تو نیکی کلر دیتا ہے

عینک آنکھوں پہ نہیں فائدہ اس کا ہے رحیم
بھر کو گھوڑے کی قیمت میں وہ خر دیتا ہے



نہیں شاعر ہوں تو یہ میرا بھرم ہے
ہر اک کی ناک میں کیا اب بھی دم ہے

یہ اللہ کا یہ بھی کرم ہے
کسی کا ذہن ہے میرا قلم ہے

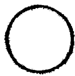
جو ان کے ہاتھ میں لمبی چلم ہے
سنا ہے اس سے ان کے دم میں دم ہے

مدد میں تیری منزل جانتا ہوں
ترے آگے ترا نقشِ قدم ہے

خریدیں گے غزل اچھی سے اچھی
ہماری جیب میں اتنا تو دم ہے

چپک بیٹھی ہے ان کی یاد اس سے
ہمارے دل میں نہ جانے کیسا گم ہے

رحیم اپنا ہے قصہ مختصر یہ
حسینائیں کئی ہیں اک بلم ہے



اپنے لیڈر ہی جو ڈاکوؤں پہ اُتر جائیں گے
سوچنا یہ ہے کہ ڈاکو یہ کدھر جائیں گے

ایسے بھوکے بھی ہیں اِس دیش کے لیڈر یارو
ہو مویشی کا بھی چارہ تو وہ چر جائیں گے

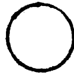
میرے احباب بڑے زیرک و دانا ہیں جناب
مَیں اگر ہاتھ پساروں تو پسر جائیں گے

کسی ہرشد کسی مرشد کا تو چمچہ بن جا
مُرغ و ماہی سے کٹورے ترے بھر جائیں گے

ایرپورٹ آپ کی اُلفت کا نظر آتے ہی
ہم تو طیارے کی مانند اُتر جائیں گے

جو مرے دَور کے لیڈر ہیں وہ گیدڑ تو نہیں
کون کہتا ہے کہ قانون سے ڈر جائیں گے

طوطی بولے گا جہاں اپنے حریفوں کی رحیم
ہم لگا کر وہاں سُرخاب کے پر جائیں گے



جب بھی ہوتی ہے اُن سے میری گفتگو
اُن کو مَیں آپ کہتا ہوں وہ مجھ کو تُو

ہو گئے سارے لیڈر بہت سُرخرُو
چُوس کر ہم غریبوں کے تن سے لہو

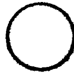
دیکھ کر تُو تُو مَیں مَیں کو ٹی وی پہ اب
ساس کو گالیاں دے رہی ہے بہُو

میری غزلیں مرے سامنے پیش کیں
میرا استاد نکلا ہے میرا گرو

مُفلسی کو اُٹھائے یُوں پھرتا ہُوں مَیں
جیسے بچّے کو لے کر پھرے کینگرو

خوبصورت گلُوبند باندھا ہُوں مَیں
مجھ کو کہتے ہیں سب شاعرِ خوش گلو

اُن کا ہر رُخ کچھو کے لگائے رحیم
اپنے لیڈر ہیں سُوکھے ہوئے گوکھرو



ہوٹنگ ہو رہی تھی میں پھر بھی ڈٹا رہا
"ہر حال میں بلند مرا حوصلہ رہا"

ہر شعر اُس کا خام رہا کھُردُرا رہا
لیکن وہ بن کے بزم میں چکنا گھڑا رہا

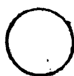
وہ سو رہی تھیں موقع مرے ہاتھ آگیا
میں بھی تمام رات اُسے ڈانٹتا رہا

سہرا کو میں نے پڑھ دیا صحرا تو کیا ہوا
دونوں کا ایک دوسرے سے رابطہ رہا

انشور اس کی انگلی تھی اس واسطے جناب
اُنگلی کے ہر اشارے پہ میں ناچتا رہا

ہمراہ وہ رقیب کے آئے تھے بزم میں
نفرت بھری نگاہ سے میں دیکھتا رہا

مچھر سے مار ڈالا خدا نے اُسے رحیم
نمرود جبکہ خود کو خدا بولتا رہا



چلو تم شاعرِ اعظم ہو ہم یہ مان لیتے ہیں
مگر پہلے کسی ہوٹل میں مُرغ و نان لیتے ہیں

ہمارا مُلک بھی لیتا ہے جبکہ دان دُنیا سے
وہ کیا نادان ہیں جو دوستوں سے دان لیتے ہیں

فقط کیڑے مکوڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا
ہم اُن کے ہاتھ کی تحریر کو پہچان لیتے ہیں

عمل کے واسطے وہ نام قرآں تک نہ لیتے تھے
قسم کھانے کی خاطر سر پہ وہ قرآن لیتے ہیں

اُڑھاتا ہی نہیں محفل میں ہم کو شال جب کوئی
تو ہم غصے میں خود اپنی ہی چادر تان لیتے ہیں

درندے بن گئے ہیں اس قدر انسان شہروں میں
مثال انساں کی جنگل کے اب حیوان لیتے ہیں

رحیم اپنی حماقت کا کسی کو کیا ہو اندازہ
ہم اُن کو جان کہتے ہیں جو اپنی جان لیتے ہیں



مجموعہ تو چھپ جاتا ہے اب میری بَلا سے
رُسوا ہو اگر علم و ادب میری بَلا سے

چیخوں گا، مَیں چِلاؤں گا، رودوں گا برابر
برہم ہو اگر بزمِ طرب میری بَلا سے

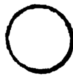
دُلہن وہ ملے مجھ کو جو ہو سونے کی چڑیا
اُس کا ہو کوئی نام و نسب میری بَلا سے

چہرے سے نقاب اُن کے اُتاروں گا کسی دن
ڈھاتے ہیں تو وہ ڈھائیں غضب میری بَلا سے

بیمار کی دولت سے ہے بچنے سے نہیں کام
بدنام جو ہو جائے مَطب میری بَلا سے

اشعار چُرا کر ہی چھپا لوں گا رتیم اب
جو دیتے ہیں، دینے دو لقب میری بَلا سے

جس طرح سے جس لفظ کو چاہے مَیں بَرت لوں
جو چاہے وہ تُند ہو کر سَبَب میری بَلا سے



برائے نام لے جاتے ہیں بیٹی ہم طرؔم خاں کی
ہمیں تو دَر حقیقت ہے ضرورت ساز و ساماں کی

گریباں ہی نہیں باقی رہا تھا عشق لیلےٰ میں
"قسم دے دی ہے کیسے قیؔس نے چاکِ گریباں کی

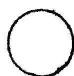
صدارت کی مجھے مسند ملی ہے اب زہے قسمت
کوئی حاجت نہیں ہے اب کسی تختِ سلیماں کی

چڑیل ایسی ہے آخر کون یہ سایہ فگن تم پہ
تمہاری ہر غزل بننے لگی ہے آنت شیطاں کی

محبت میں حجامت تک بنانے کی نہیں فرصت
جبھی تو یہ بھیانک شکل ہے زلفِ پریشاں کی

خدا حافظ ہے میرا آج وہ خاموش بیٹھے ہیں
یہ کیا پیشن گوئی ہے کسی آفت کی، طوفاں کی

رحیمؔ آزاد ہو تم وزن میں اشعار کہنے سے
یہ کہہ کر آپ نے مشکل ہماری کتنی آساں کی



میں نے محفل میں جب بھی پڑھی ہے غزل
کوئی کہتا نہیں یہ بری ہے غزل

ہو بہو نقل غزل تو .. کہنے لگے
یونہی استاد سے لڑ گئی ہے غزل

دیکھ کر شوقِ جدت کی بے باکیاں
آپ اپنے میں خود رو رہی ہے غزل

میں ہوں چوٹی کا شاعر مرے دوستو
کیونکہ چوٹی پہ میں نے لکھی ہے غزل

ہو گیا ہے خراب اُن کے مُنہ کا مزا
جو بھی کہتے ہیں باسی کڑھی ہے غزل

بیس برسوں سے اب تک سُناتا ہوں میں
ساری غزلوں میں یہ چل پڑی ہے غزل

کیا کوئی سر پھری رُوبرو تھی رحیم
کس لیے آپ کی بہکی ہے غزل

غزل

سہرا باندھے ہوئے دُلہا نہیں دیکھا جاتا
ہم سے وہ دار پہ چڑھتا نہیں دیکھا جاتا

تانکتا جھانکتا بوڑھا نہیں دیکھا جاتا
ہنس کی چال میں کوا نہیں دیکھا جاتا

آپریشن مری آنکھوں کا وہی کرتا ہے
جس سے فٹبال بھی پورا نہیں دیکھا جاتا

میری نظریں تو رہا کرتی ہیں بس ویلکم پر . WEL COME
ہے وہ بری کہ ولیمہ نہیں دیکھا جاتا

ق

بن بلائے ہی چلا جاتا ہوں ہر دعوت میں
بھوک میں اپنا پرایا نہیں دیکھا جاتا

جا کے تھیٹر میں لیا کرتا ہوں میں خراٹے
جب بہو ساس کا جھگڑا نہیں دیکھا جاتا

چاند کے ٹکڑے کی امیدیں ہیں پیا شیخ وہی
جن سے اب چاند بھی پورا نہیں دیکھا جاتا

خود نمائی تری آنکھوں میں بسی ہے ایسے
اب کوئی بچہ پلتا پھلتا نہیں دیکھا جاتا

شاعری کرنے لگے ہیں یہاں ایرے غیرے
شاعری میں جو وثیقہ نہیں دیکھا جاتا

دیکھ کر تیری جسامت کو وہ کہتے ہیں رحیم
ہم سے شاعر کوئی موٹا نہیں دیکھا جاتا





فخر تھا میرا تخلص مختصر اُس نے کیا
ف "تخلص سے نکالا اور خر اُس نے کیا

کر کے وعدہ عقد کا مجھ کو کنوارا ہی رکھا
"میری ساری زندگی کو بے ثمر اُس نے کیا"

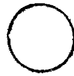
اُس کی مٹھی گرم کی جو گائیڈ پی ایچ ڈی کا تھا
مَیں تھا جاہل مجھ کو ڈگری ہولڈر اُس نے کیا

میری غزلوں کو چُرا کر ہر جگہ پڑھتا رہا
گاڑی میری تھی مگر اُس میں سفر اُس نے کیا

سڑکیں چوڑی کرنے والے کا بڑا احسان ہے
مَیں گلی میں رہ رہا تھا روڈ پر اُس نے کیا

تھا مرا نقاد مچھر کی صفت کا دوستو
رات دن رہ رہ کے مجھ کو ٹارچر اُس نے کیا

کر کے اِک تنقید بے جا ایک محفل میں رحیم
خوش ہے جیسے میرے فن کو بے اثر اُس نے کیا



جوکر ہوں میں دِلوں کو لُبھانے کے واسطے
مَیں رو رہا ہوں سب کو ہنسانے کے واسطے

گُل چھرّے مَیں اُڑاتا ہوں اب ہو کے بے خطر
بیوی قطر گئی ہے کمانے کے واسطے

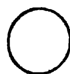
چُولھے کی طرح مَیں نے سُلگ کر سُنائے شعر
محفل میں اپنی دال گلانے کے واسطے

سَن باتھ لینے چھت پہ ہوں ننگا کھڑا ہُوا
پانی نہیں ہے گھر میں نہانے کے واسطے

سب مر چکے رقیب مگر ہم ہی رہ گئے
اِک بے وفا کے ناز اُٹھانے کے واسطے

کرنے لگے ہیں شوق وہ اب نثری نظم کا
بے وزن شاعری کو نبھانے کے واسطے

رُوٹھے ہوئے ہیں وہ تو رحیمؔ اپنا قلب زار
اُلٹا لٹک گیا ہے منانے کے واسطے



ذرا تو سوچو کہ یُن ہیں یہ غُلو کیا ہے
"ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تُو کیا ہے"

عدو کو ساتھ لیے پھرتے ہیں وہ میرے لیے
یہ مجھ کو دیکھ کہ اُن کی زباں پہ چُھو کیا ہے

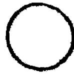
لُہو کو دے کے بھگت جو دفینہ پاتے ہیں
بَلی کی بکری ہے اُن کے لیے، لہُو کیا ہے

جو فال دیکھتا ہے گر اُسے نہیں کہتے
تو پھر بتاؤ کہ مفہوم فالتُو کیا ہے

بہانہ آرٹ کا عُریانیِ بدن کے لیے
ہمارے دور میں عورت کی آبرُو کیا ہے

ہو کوئی سقم تو جُرأت سے بَر مَلا کہیے
ہمارے شعروں پہ، چھُپ چھُپ کے گفتگو کیا ہے

نگاہ والا ہو کوئی رحیم تو دیکھے
ہمارے گھر کے مقابل میں کوئی زُو کیا ہے



اُن کا میرا مقابلہ کیا ہے
آگے طوفان کے دیا کیا ہے

اُس کے زیرِ علاج ہوں مَیں بھی
جو نہیں جانتا دَوا کیا ہے

مَیں ہوں مشتاق مُرغ ماہی کا
میرے آگے یہ دالچہ کیا ہے

اُن سے بُرقعے کی کیا اُمید کریں
جو نہیں جانتے حیا کیا ہے

محفلِ شعر کے جو داعی ہیں
پُوچھتے ہیں مشاعرہ کیا ہے

کتنے دیوان چھپ گئے اُس کے
جو نہ جانے کہ قافیہ کیا ہے

کر حفاظت رحیم تو اس کی
ایک نعمت ہے یہ گلا کیا ہے



سبھی کو خوف یہاں ماسٹر پلان کا ہے
کہ مسئلہ یہاں سب سے بڑا مکان کا ہے

ہوئی ہے سرجری جب سے جوان لگتے ہیں
بڑے میاں کو لگا دل جو ہے جوان کا ہے

تمھاری گلچھے کھلا کر لکھائی ہے جو غزل
اسی لیے مرا ہر شعر اب زبان کا ہے

کہیں بھی رنگ نہیں اس میں آدمی پن کا
نہ جانے میرا عدو کون خاندان کا ہے

سڑے ہوئے ہی سبھی اس نے آم بھیجے ہیں
اسی لیے تو مزہ اس میں بے نشان کا ہے

وہ باندھتے ہیں ٹیری اُول کی اُدھر ساڑی
ہمارے تن پہ جو پتلون ہے کتان کا ہے

رحیم سن کے اسے قہقہے لگاتے ہیں
کلام گویا ترا کھیت زعفران کا ہے



بکواس بھی جب کی ہے تو اس شان کی کی ہے
نقاد مرے کہتے ہیں لفظوں کا دھنی ہے

پارے کی طرح ہوتے ہیں بے چین وہ سُن کر
اِک آنچ کی شاید مرے شعروں میں کمی ہے

بُننے لگے جل جل کے جپاتی کئی چہرے
جب دال مری وقت کے چولھے پہ گلی ہے

کیونکر نہ مقام اس کا ہو ٹکسال میں دل کے
ظالم وہ چھری ہے بھی تو سونے کی چھری ہے

کرتے ہیں جگالی وہ مرے شعروں سے اکثر
یہ جان کے چرتے ہیں کہ یہ گھاس ہری ہے

تقدیر میں لکھا تھا مرے وعدہ کا ٹلنا
لکھ بھیجا ہے ظالم نے تری نافدنی ہے

کتنے ہی رحیم اس میں ہیں اشعار کے چربے
یہ میری غزل حاصلِ محفل جو ہوئی ہے



دُم دار ستارے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
کہنے کے لیے نام ترا ماہ جبیں ہے

ہے پیار اُسے مجھ سے مگر کہتا نہیں ہے
ایٹم کا دھماکہ ہے مگر زیرِ زمیں ہے

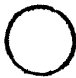
پڑھنے کے لیے وقت کو ہم لائیں کہاں سے
اب ایک رسالہ ہے یہ اخبار نہیں ہے

آنکھوں پہ چڑھا رکھی ہے تیں پن کی جو عینک
اور خود کو سمجھتا ہے کہ وہ سب سے حسیں ہے

آجاتے ہیں گھر پہ وہ مرے چائے کی خاطر
جن کو مرے افلاس کا اندازہ نہیں ہے

سب کو یہ گماں ہے کہ یہ استاد کی ہوگی
یہ میری غزل ہے یہ فقط مجھ کو یقیں ہے

اس طرح ہوئی ٹاؤن پلاننگ کہ رحیم اب
تا حدِّ نظر کوئی مکاں ہے نہ مکیں ہے



داد کیوں پاؤں نہ اب سارے سخنندانوں سے
میں نے تیار غزل کی کئی دیوانوں سے

بڑھ گئے چار قدم اس طرح شیطانوں سے
اب تو شیطان ڈرا کرتے ہیں انسانوں سے

اب جھڑا کرتے ہیں خنجر مرے ہمسایوں کے
"آستینوں سے، گریبانوں سے، دامانوں سے"

میں ہوں مشہور زمانہ، یہ ذرا یاد رہے
میری تصویریں بھی مل جائیں گی سب تھانوں سے

چیخنے والوں کو بھی ساتھ لیے آتے ہیں
محفلیں جمتی ہیں ایسے بھی غزل خوانوں سے

کسی بیرے کو بلا کر چلو دعوت میں رحیم
میز خالی نظر آئے گا نہ پھر کھانوں سے

رؤف رحیم ——— چند تاثرات

رؤف رحیم کو شاعری ورثے میں ملی اور اس ورثہ کو انھوں نے حرزِ جاں بنا کر رکھا ہے۔ ان کے سنجیدہ اور مزاحیہ کلام کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ طبیعت مزاح کی جانب زیادہ مائل ہے ——— مزاحیہ شاعری ادھر کئی سال سے رُو بہ انحطاط ہے، لیکن رؤف رحیم اور اس قبیل کے بعض دوسرے شعراء مسلسل کوشاں ہیں کہ اردو میں مزاحیہ شاعری کا رتبہ اور وقار قائم رہے۔ حالیہ برسوں میں مزاحیہ شعراء نے عام طور پر چند گھسے پٹے موضوعات کو اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے لیکن رؤف رحیم کے یہاں موضوعات کا کینوس وسیع ہے، وہ اپنے ماحول پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ سماجی، معاشی، مذہبی اور سیاسی بے اعتدالیاں اُن کی شاعری کا خاص موضوع ہیں۔ وہ قدیم اور قابلِ قدر اقدار سے انحراف کو پسند نہیں کرتے، اس کے باوجود نہ تو طرزِ کہن پر اَڑ جاتے ہیں اور نہ پیچھے کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ قدیم و جدید اقدار کے ٹکراؤ کی بازگشت اِن کے ہاں صاف سُنائی دیتی ہے۔ اس کٹھن منزل کا انھیں خوب احساس ہے، مستقبل پر ان کی نظر ہے، نیا محاورہ، نئی سائنس اور نئے صالح اقدار انھیں پسند ہیں۔ شاعر کا یہ متوازن رویّہ مزاحیہ شاعری کی نئی منزلوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ فنِ شعر پر رؤف رحیم کو عبور حاصل ہے۔ دل پہ گزرنے والی ہر کیفیت کے اظہار پر انھیں قدرت ہے۔ ایک حسّاس شاعر کے لیے اور کیا چاہیے، یہی وہ عناصر ہیں جن کے مُرقعے شعر کی صورت میں رؤف رحیم کے مجموعۂ کلام میں جہاں تہاں مِل جاتے ہیں۔ تلخیٔ دوراں نے اُن کے لہجہ میں کڑواہٹ نہیں پیدا کی بلکہ وہ ہر طرح کی بے راہ رَوی پر شیریں انداز میں اپنے رَدِّ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ اِن کے مجموعے کے چند اچھے شعر ملاحظہ ہوں عہ

پٹّہ کمر کا کیوں نہ گلے ہی میں ڈال دوں
معشوق وہ مِلا ہے کہ جس کی کمر نہیں

بیرونی شاعروں پہ لُٹاتے ہیں سیم و زر
اور ہم کو ٹالتے ہیں فقط چائے پان پر

مردوں کی حرکتیں ایسی بھی دیکھیں ہم نے محفل میں
سمجھ میں آگیا انسان کا لنگور ہو جانا

ہمارے دیش کی تو یہ روایت عام ہے لوگو — بہو کا نان بننا، ساس کا تندور ہو جانا

غیر مطبوعہ جو استاد کا دیوان ملے
اِس کو قسمت کا عطا کردہ دفینہ سمجھو!

پہلے دے کر دان میں موٹر — بعد میں کنیا دان کریں گے
خالی ہے پولس کا خزانہ — پیدل کو چالان کریں گے

رؤف رحیم، اعتماد کے ساتھ مسلسل شعر کہہ رہے ہیں، مستقبل میں اِن سے بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں۔

(ڈاکٹر) مصطفیٰ کمال
ایڈیٹر ماہنامہ شگوفہ۔ حیدرآباد

مُصنّف کی دیگر کتابیں

۱ : بساطِ دل (سنجیدہ کلام) ۱۹۸۷ء — ۲ : خدا خیر کرے (مزاحیہ کلام) ۱۹۹۲ء
۳ : نشاطِ الم (سنجیدہ کلام) ۱۹۹۶ء — ۴ : نوک جھونک (مزاحیہ کلام) ۱۹۹۸ء
۵ : زیرِ اشاعت : نعتوں کا مجموعہ "سُہانا سفر" — ۶ : مضامین کا مجموعہ "دِل کے رشتے"
۷ : افسانوں کا مجموعہ "بے نام"

تالیف :

۱ : "زنجیرِ زُنار" کلام شمس الدین تاباں ۱۹۷۸ء — ۲ : "گلزارِ صفی" کلام صفی اورنگ آبادی ۱۹۸۷ء

وابستگی : معتمد ادبستانِ دکن بہ یادگار حضرت صفی اورنگ آبادی
معتمد بزمِ تاباں، بہ یادگار حضرت شمس الدین تاباں
معتمد بزم حکمت و فن۔ زیرِ سرپرستی : الجیلانی دکن اے پی
معتمد بزم جمیل، حیدرآباد
شریک معتمد زندہ دلانِ حیدرآباد

پتہ : مکان نمبر 525 - 5 - 20 شکر گنج۔ حیدرآباد 500065 اے پی (انڈیا)
فون 4410518